وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

سہ ماہی البیان کراچی

سلسلہ 15-14 جولائی تا دسمبر 2015

فضیلة الشیخ حافظ
عبدالحمید ازہر
رحمة الله علیه
حیات و خدمات

ٹریفک قوانین
کی پاسداری
شرعی اصولوں کی روشنی میں

مدارس
کے ضعیف العمر
اور بیمار اساتذہ
(مسائل، مشکلات اور ان کا حل)



اپنے مریضوں کا علاج
قرآن و سنت سے کیسے کریں؟

مجلس البحث العلمي المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

albayanmirc@gmail.com +92-21-35896959 www.islamfort.com

وَاَنزَلنَا اِلَیكَ الذِّكرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیهِم

البیان

سہ ماہی کراچی

سلسلہ نمبر 15-14	جولائی تا دسمبر 2015

زرِ تعاون بھیجنے کے لئے اور **البیان** کے شمارہ جات جاری کروانے کے لئے ذیل میں دیئے گئے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر رقم ارسال کریں نیز بذریعہ ایزی پیسہ اور آن لائن بھی رقم ارسال کرسکتے ہیں۔ **تفصیلات کے لئے** 03212627018

Bank Al-Habib A/C No:1103-0081-002746-01-2

زرِ تعاون شمارہ خصوصی **120** روپے
سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

بیرون ملک
زرِ سالانہ 12 ڈالر
فی شمارہ 3 ڈالر
(علاوہ ڈاک خرچ)

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد نثار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03212627018
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

نوٹ: البیان میں شائع کیے جانے والے مضامین علمی وتحقیقی بنیادوں پر شامل اشاعت کیے جاتے ہیں ادارہ کا مضمون نگار سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

فہرست مضامین

حافظ عبد الحمید ازہر رحمہ اللہ

حیات وخدمات

محمد اسحاق بھٹی (1)

گذشتہ دنوں جماعت کو ایک انتہائی گہرے صدمہ سے گزرنا پڑا کہ ایک عظیم شخصیت نامور عالم دین اور جماعت کا نہایت عظیم سرمایہ علامہ حافظ عبدالحمید ازہر رحمہ اللہ دیارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ادارہ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ علامہ صاحب المدینہ سینٹر کے علمی بورڈ کے رکن بھی تھے۔ گاہے بگاہے یہاں تشریف لاتے، اپنی قیمتی تجربات ونصائح سے مستفید کرتے اور سینٹر کے پروجیکٹس میں مفید رہنمائی فرماتے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلی علیین اور جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے۔ انه ولی التوفیق۔

زیرِ نظر مضمون مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اپنی مشہور کتاب چمنستانِ حدیث میں علامہ حافظ عبدالحمید ازہر رحمہ اللہ کی زندگی میں لکھا تھا، آج شیخ ہم میں موجود نہیں رہے، ان کی وفات کے حوالے سے ادارہ ان کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ تحریر شائع کر رہا ہے۔ تحریر کے آخر میں چند معلومات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ امید ہے قارئین ان معلومات سے مستفید ہوں گے۔

(ادارہ)

(1) نامور مؤرخ اہل حدیث ومصنف کتب کثیرہ

میانہ قد، گندمی رنگت میں سرخی کی جھلک۔ناک نقشہ خوب صورت، صاف گو، علم وحلم کا دل پذیر مجموعہ، مزاج میں اعتدال۔اچھے خطیب اور اچھے مدرس ۔طبیعت میں صالحیت اور حسنات کا غلبہ۔لمبی داڑھی ۔عمدہ خصال اور خوش گفتار۔شلوار قمیص عام پہناوا۔ہمارے اس عزیز القدر دوست کو جو حافظ عبدالحمید ازہر کے نام سے موسوم ہیں، اللہ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے۔

والد محترم کا نام حکیم فیض محمد تھا۔اس خاندان کے لوگ ضلع امرتسر کے موضع بھوجیاں کے علمائے کرام سے متاثر تھے،اسی لیے ان کے والد کا نام مولانا فیض محمد بھوجیانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔جدِ امجد کا اسم گرامی حکیم مولا بخش تھا۔ان کا تعلق ایک گاؤں ''سُرسنگھ'' سے تھا۔انہیں مقامی مسلمانوں میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور سب لوگ ''میاں جی'' کہتے ہیں۔ایک بزرگ شیخ حبیب اللہ تھے،نیک طینت اور پسندیدہ خصائل کے مالک ۔انہی کی تلقین سے حکیم مولا بخش نے مسلک اہل حدیث قبول کیا۔پھر ان کی عقیدت کا مرکز غزنوی علمائے کرام اور مولانا نیک محمد قرار پائے۔حکیم مولا بخش کی کوشش سے موضع سرُسنگھ میں ایک خاصی بڑی مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ،لیکن ابھی مسجد مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ملک کی تقسیم کا اعلان ہو گیا اور ان لوگوں کو وہاں سے نکلنا پڑا۔

حافظ عبدالحمید ازہر کے نانا حاجی عبدالکریم تھے۔ان کا تعلقِ سکونت ایک گاؤں ''بلیئر'' سے تھا۔یہ گاؤں ضلع لاہور میں تھا۔وہاں سکھوں کی اکثریت تھی۔حاجی عبدالکریم اپنے خاندان کے ساتھ وہاں سے نکلے اور موضع ''پٹی'' میں آبسے۔یہ خاصا بڑا قصبہ تھا اور ضلع لاہور میں تھا،اس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور مسلمانوں میں بھی اہل حدیث حضرات کی تعداد زیادہ تھی۔لیکن تقسیم ملک کے نتیجے میں اس قصبے کو ضلع لاہور کی حدود سے نکال کر ضلع امرتسر میں شامل کر دیا گیا اور وہ ہندوستان کے حصے میں آیا۔تقسیم ملک سے پہلے حافظ عبدالحمید ازہر کے ددھیال ونھیال عزت واحترام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ملک تقسیم ہوا تو وہاں سے قصور آگئے اور اس شہر کے کوٹ اعظم خاں میں سکونت پذیر ہوگئے۔یہیں 10۔دسمبر 1948ء کو حافظ عبدالحمید ازہر کی ولادت ہوئی۔پاکستان کی پیدائش 14۔اگست 1947ء کو ہوئی۔عیسوی تقویم کے مطابق یہ عمر کے اعتبار سے پاکستان سے چار دن کم

سولہ مہینے چھوٹے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ قائم رکھے اور یہ چھوٹی بڑی ہر آفت سے محفوظ رہے اور حافظ عبدالحمید ازہر کی زندگی صحت وعافیت کے ساتھ دراز ہو اور لوگ ان کی خطابتی اور تحریری مساعی سے مستفید ہوتے رہیں، آمین۔

عبدالحمید ازہر کچھ بڑے ہوئے تو گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل کرادیے گئے۔ اسکول کی تعلیم کے دوران ہی ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد قصور کی جامع مسجد فریدیہ میں قاری نور احمد کھرل سے (جو قاری اظہار احمد تھانوی کے شاگرد تھے) حفظِ قرآن کا آغاز کیا اور اللہ نے ان کو حفظ وتجوید کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا۔

1965ء میں میٹرک پاس کیا۔ انہی دنوں مولانا محمد اسحاق گوہڑوی رحمانی اپنے دوست شیخ عبدالکریم کی تعزیت کے لیے (جو ایک حادثے میں وفات پا گئے تھے) قصور تشریف لائے۔ حافظ عبدالحمید ازہر کے دادا اور نانا انہیں مولانا موصوف کے پاس لے گئے اور آئندہ تعلیم کے لیے رائے طلب کی۔ اس رائے کے نتیجے میں جولائی 1965ء میں عبدالحمید ازہر کو ان کے ماموں مولانا عبدالعظیم انصاری اپنے ساتھ چینیاں والی مسجد (لاہور) لے آئے اور وہاں کے دارالحدیث میں داخل کرادیے گئے۔

جب چینیاں والی مسجد میں عبدالحمید ازہر کی تعلیم کا آغاز ہوا، اس وقت مولانا محمد اسحاق رحمانی وہاں صدر مدرس تھے اور مولانا عبدالعزیز نائب مدرس اور ہم سبق طلباء میں مولانا محمود احمد بن حافظ عبدالغفور (مریدکے) اور مولانا محمد عثمان (حال مدرس جامعہ اہل حدیث لاہور) شامل تھے۔

اس سے اگلے سال بہ طور نائب مدرس وہاں مولانا عبدالخالق قدوسی شہید کا تقرر ہوا۔ صرف ونحو کی بعض کتابیں، ترجمہ قرآن اور بلوغ المرام مولانا محمد اسحاق رحمانی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ مشکوٰۃ شریف اور عربی ادب کی ابتدائی کتابیں مولا عبدالخالق قدوسی سے پڑھیں۔

چینیاں والی مسجد کے مدرسے میں کچھ کمزوری کے اسباب ابھرے تو حافظ عبدالحمید ازہر گوجراں والا کی جامعہ محمدیہ چلے گئے۔ وہاں مولانا عبدالحمید ہزاروی سے سنن نسائی، مولانا جمعہ خاں سے

نورالانوار اور مولانا بشیر الرحمٰن سے دیوان حماسہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔حافظ عبدالمنان نور پوری سے بھی استفادہ کیا۔اسی دوران ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کی قیادت میں طلبا کا ایک وفد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ گیا، جہاں مولانا معین الدین لکھوی کے زیرصدارت طلبا کا جلسہ منعقد ہوا۔اس وفد کے شرکاء میں حافظ عبدالحمید ازہر بھی تھے۔وہیں ان کی ملاقات ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر سے ہوئی جو جلد ہی دوستی میں بدل گئی۔ان کی ترغیب پر حافظ عبدالحمید ازہر جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) چلے گئے۔وہاں انہوں نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

✳ مولنا ثناءاللہ ہوشیار پوری سے سنن ابی داود، مؤطا امام مالک اور حجۃ اللہ البالغہ۔

✳ مولانا علی محمد سلفی سے جامع ترمذی اور دیوان متنبی۔

✳ حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی سے صحیح بخاری۔

✳ ہم سبق طلبا تھے ڈاکٹر شمس الدین نورستانی، حافظ مسعود عالم اور بعض دیگر حضرات۔

✳ ڈاکٹر محمد امان الجامی اور شیخ علی مشرف العمری جامعہ اسلامیہ کی طرف سے جامعہ سلفیہ میں بہ طور مبعوث خدمات انجام دیتے تھے، حافظ صاحب نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

1972ء میں جامعہ سلفیہ کا الحاق جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے ہوا۔پہلے سال دو طالب علموں کے داخلے کی منظوری آئی۔سالانہ امتحانات میں حافظ مسعود عالم اول اور حافظ عبدالحمید ازہر دوم آئے۔اس امتحان کے نتیجے میں ان دونوں کو جامعہ اسلامیہ میں داخل کرلیا گیا۔

یہ مدینہ منورہ پہنچے تو شیخ عبدالعزیز بن باز، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، شیخ امین شنقیطی مصنف اضواء البیان کی زیارت کا موقع ملا۔وہیں مولانا عبدالغفار حسن، شیخ حماد الانصاری، شیخ مختار شنقیطی، شیخ عبدالرؤف اللبدی سے استفادہ کیا۔علامہ ناصرالدین البانی جامعہ اسلامیہ کی مجلس مشاورت کے رکن کی حیثیت سے تشریف لایا کرتے تھے۔

شیخ ابوبکر جابر الجزائری تفسیر اور شیخ عبدالمحسن العباد بدایۃ المجتہد کے استاد تھے۔

1977ء میں حافظ عبدالحمید ازہر کو لیسانس (بی اے آنرز) کی ڈگری شاہ فہد کے ہاتھوں ملی۔اس

وقت وہ مملکتِ سعودیہ کے ولی عہد تھے، بعدازاں خادم حرمین شریفین ہوئے۔

دراسات علیا میں حافظ صاحب ممدوح کو قسمِ اصول الفقہ میں داخلہ ملا۔لیکن کسی وجہ سے اس کی تکمیل نہ ہوسکی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی نصابی تعلیم مکمل کرکے وطن واپس آئے تو مبعوث کی حیثیت سے 1980ء سے 1989ء تک پہلے مدرسہ تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی میں اور پھر جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔اس اثنا میں ان سے جن خوش بخت حضرات نے کسب علم کیا وہ ہیں ڈاکٹر عبدالغفار بخاری،مولانا محمد یونس عاصم مرحوم(سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ اسلام آباد)،مولانا محمد رفیق اختر کاشمیری ،مولانا عصمت اللہ(شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ مظفر آباد)۔مولانا عبدالوحید(استاذ الحدیث جامعہ سلفیہ مسجد مکرم گوجراں والا)اور بعض دیگر اصحاب علم۔

حافظ عبدالحمید ازہر تحریر ونگارش کا بھی ذوق رکھتے ہیں اور ان کا قلم کتاب وسنت کی خدمت کے لیے ہمیشہ رواں رہتا ہے،چنانچہ مختلف جماعتی جرائد میں ان کے رشحاتِ قلم خوانندگانِ محترم کے مطالعہ میں آتے ہیں اور ان کے لیے اضافۂ معلومات کا باعث بنتے ہیں۔ مضامین کے علاوہ ''اہل حدیث کا تعارف'' کے نام سے ان کی ایک کتاب بھی ہے،جس پر مولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے تقریظ رقم فرمائی تھی۔

خطابت کا ملکہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ودیعت فرمایا ہے۔وہ جامع محمدی اہل حدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حافظ صاحب ممدوح کے ایک بھائی کا نام حافظ عبدالوحید ہے۔وہ جامعہ ام القریٰ کے سند یافتہ ہیں اور جامعہ کی طرف سے گولڈ میڈلسٹ ہیں۔

ایک بھائی علامہ محمد سعید عابد تھے جو اسلامیہ گورنمنٹ ڈگری کالج قصور کے وائس پرنسپل تھے،افسوس ہے انہوں نے 19۔مئی 2011ء کو بعارضہ قلب اپنے مسکن قصور میں وفات پائی۔میں ان کے جنازے میں شامل تھا۔

پنجابی کے مشہور شاعر محمد شریف انجم مصنف ''حرا دا چانن''(جو قصور میں مقیم ہیں) حافظ عبدالحمید

ازہر کے خالہ زاد بھائی ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے وفات شدگان کی مغفرت فرمائے اور زندوں کو کتاب وسنت کی خدمت کی توفیق بخشے۔

چند دیگر علمی خدمات:[1]

1. تعارف اہلحدیث
2. حضورِ نماز
3. بشرا الصابرین
4. ثواب وعذاب قبر: حافظ صاحب نے ایک ضخیم کتاب بھی لکھ رکھی ہے جو لگ بھگ 500 صفحات پر مشتمل ہے۔
5. مختصر صحیح بخاری: از علامہ البانی (ترجمہ وفوائد)۔
6. احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں اہلحدیث پر: از علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید۔ اس کتاب حافظ عبدالحمید ازہر رحمہ اللہ نے مبسوط مقدمہ لکھا جس کا حجم اصل رسالے سے بڑھ گیا ہے جو کہ (80 صفحات پر مشتمل ہے)۔
7. پیغام حرم: شیخ محمد سلطان معصومی کی کتاب "هدية السلطان إلى مسلمي يابان" جس کا ترجمہ اپنے ایک شاگردِ رشید مولانا رفیق اختر کاشمیری سے کروایا۔خود نظر ثانی کی اور اس پر 60 صفحات کا مقدمہ لکھا۔
8. مختصر ترغیب وترہیب (مترجم) کی نظر ثانی ومقدمہ۔
9. اعجاز حدیث (غیر مطبوع) اسی موضوع پر پیغام ٹی وی میں پروگرام کی بھی ریکارڈنگ کروائی۔

---

[1] محترم المقام مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ نے ان کی ایک تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے، شاید عدم دستیابی کی وجہ سے مزید کا ذکر نہیں کر پائے، خدمات کے عنوان میں کچھ مزید علمی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(ادارہ)

10 فن نقد حدیث اور مولانا اصلاحی کے اندیشہ ہائے دور دراز کے عنوان پر 6 قسطوں پر مشتمل ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں مضامین شائع ہوئے۔

11 تحقیق حدیث کے لیے قیاسی کسوٹیاں کے عنوان سے جاوید غامدی کی تردید میں 5 قسطوں میں، الاعتصام لاہور میں مضامین شائع ہوئے۔

12 حج وعمرہ کے احکام (پاکٹ سائز)۔

اس کے علاوہ جامعہ سلفیہ میں دورانِ تدریس ایک سہ ماہی رسالہ بنام ''نوائے شباب'' جاری کیا جو بعد میں ''الآثار'' کے نام سے ماہانہ میں تبدیل ہوگیا، لیکن یہ رسالہ تین سال ہی چل سکا، اس رسالے میں حافظ صاحب کا اداریہ، درس قرآن اور دیگر علمی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

وفات:

حافظ عبدالحمید ازہر کافی عرصہ سے صاحب فراش تھے، عارضہ قلب اور دیگر امراض نے گھیرا ہوا تھا۔ آخر کار وہ وقت موعود آن وارد ہوا جس سے کسی کو بھی مفر نہیں چنانچہ یکم صفر 1437ھ بمطابق 14۔نومبر 2015ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اسی دن رات کو آٹھ بجے ان کا جنازہ راولپنڈی میں پڑھایا گیا، امامت کے فرائض بقیۃ السلف استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے انجام دیے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله وقه من فتنة القبر وعذاب النار، آمين.

کیا جنت اور جہنم ابھی موجود ہیں؟

حافظ محمد یونس اثری [1]

جنت و جہنم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتائج میں جزا و سزا کے لئے پیدا کیا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے جنت کو ٹھکانہ بنایا اور برے لوگوں کے لئے جہنم کو بنایا۔ مشرکین مکہ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ہی سرے سے عقیدہ آخرت کا انکار کیا اور کافر ٹھہرے۔ آج بھی ایسے مذاہب موجود ہیں جو سرے سے آخرت کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ یہ عقیدہ ان کی عقل سے ماوراء ہے۔ ویسے تو جنت و جہنم پر ایمان کے بعد مزید کچھ عقائد بھی ان سے متعلقہ ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بخوف طوالت ان عقائد میں سے ہم صرف ایک عقیدہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو جنت و جہنم کے وجود کے حوالے سے ہے۔

جنت و جہنم کے وجود کے حوالے سے دو طرح کے عقائد ہیں۔ ایک عقیدہ معتزلہ کا ہے۔ دوسرا عقیدہ سلف صالحین کا ہے۔

معتزلہ کا عقیدہ

جنت و جہنم کے حوالے سے معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت و جہنم ابھی موجود نہیں ہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ہی انہیں پیدا کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ابھی ان کا پیدا کرنا بے فائدہ ہے، کیونکہ ان کے رہنے والے تو قیامت کے دن کے بعد ہی ہوں گے۔

معتزلہ میں سے اس عقیدہ کے حوالے سے سب سے زیادہ جو شخص مشہور ہوا وہ ہشام بن عمرو الفوطی

---

[1] مدرس المعهد السلفی کراچی

(المتوفی ۲۲۰ھ) ہے۔

ہشام بن عمرو الفوطی کا تعارف:

یہ تیسری صدی ہجری کا شخص ہے جس کا شمار معتزلہ کے رؤساء میں ہوتا ہے۔ یہ کوفی تھا اور بنوشیبان کا مولی تھا۔[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

" صاحب ذكاء وجدال وبدعة ووبال "[2]

''بڑے حافظے والا، جدل کرنے والا، بدعتی اور وبال والا شخص تھا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كان من اصحاب ابى الهذيل و كان داعية الى الاعتزال"[3]

''ابو ہذیل کے اصحاب میں سے تھا اور مذہبِ اعتزال کا داعی تھا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں عون بن سلام کے ترجمہ میں تیسری صدی کے رؤساء معتزلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے چند ایک نام بتلائے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، جو نام ذکر کئے وہ یہ ہیں: بشر بن غیاث المریسی العدوی مولی آل زید بن الخطاب، ابوسہل بشر بن المعتمر الکوفی الابرص (کبار معتزلہ میں سے ہے اور معتزلی مصنفین میں سے ہے)، ابومعن ثمامۃ بن اشرس النمیر ی البصر ی، ابو الہذیل محمد بن الہذیل العلاف البصر ی، ابو اسحاق ابراہیم بن سیار البصر ی النظام، ہشام بن الحکم الکوفی الرافضی المجسم ،ضرار بن عمرو (جس کی طرف ضراریۃ فرقہ منسوب ہے)، ابو المعتمر معمر بن عباد (بعض نے اس کا نام معمر بن عمرو البصر ی العطار بتایا ہے۔)، ہشام بن عمرو الفوطی، داود الجوار بی ،ولید بن ابان الکرابیسی ،ابن کیسان الاصم، وابوموسی الفراء البغد ادی ،ابوموسی البصر ی جس کا لقب المرداز ہے،جعفر بن حرب،جعفر بن مبشر ودیگر۔[4]

---

[1] سير اعلام النبلاء:547/10،طبع مؤسسة الرسالة

[2] سير اعلام النبلاء : 547/10، طبع مؤسسة الرسالة

[3] لسان الميزان :268/7، طبع احياء التراث

[4] سير اعلام النبلاء : 442/10،طبع مؤسسة الرسالة

بہرحال سابق الذکر امام ذہبی اور ابن حجر رحمہما اللہ کی ان عبارات سے ہشام بن عمرو الفوطی کے بارے میں کی گئی جرح سامنے آ گئی۔

ہشام بن عمرو الفوطی کی طرف پھر ایک فرقہ بھی منسوب ہوا جس کا نام ہشامیہ ہے۔ جو کہ معتزلہ کے فرقوں میں شمار ہوتا ہے۔[1]

تنبیہ: صاحب الوافی بالوفیات نے ہشامیہ نام کے تین فرقوں کی نشاندہی کی ہے، ایک ہشام بن الحکم الکوفی الرافضی کی طرف منسوب ہے، اور ایک ہشام بن سالم الجوالیقی کی طرف اور تیسرا ہشام بن عمرو الفوطی کی طرف منسوب ہے۔[2]

بہرحال اسی شخص نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ جنت وجہنم ابھی موجود نہیں، چنانچہ صاحب الملل والنحل لکھتے ہیں:

"من بدعه أن الجنة والنار ليستا مخلوقتين الآن، إذ لا فائدة في وجودهما وهما جميعا خاليتان ممن ينتفع ويتضرر بهما. وبقيت هذه المسألة منه اعتقادا للمعتزلة"[3]

''اس کی بدعتوں میں سے ہے کہ (وہ کہتا تھا) جنت وجہنم ابھی پیدا نہیں کی گئیں، کیونکہ ابھی ان کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ دونوں خالی ہیں جن کو انہوں نے فائدہ یا نقصان پہنچانا ہے۔''

صاحب الوافی بالوفیات فرماتے ہیں:

"رأس الهشامية المعتزلة هشام بن عمرو رأس الهشامية وهو فرقة من المعتزلة كبيرهم هذا هشام الفوطي زاد على أصحابه المعتزلة ببدعة ابتدعها منها أنه قال الجنة و النار ليستا مخلوقتين الآن ومنه نشأ اعتقادا لمعتزلة المتأخرين في نفي خلق الجنة والنار ومن أصحابه أبو بكر الأصم وافقه في كل ذلک"[4]

---

[1] دیکھئے: الاعتصام: 2/719، طبع دار ابن القیم، الملل والنحل: 48 طبع دار ابن حزم

[2] الوافی بالوفیات جلد نمبر 26 صفحہ 57 ابن محمد، جلد نمبر 27 صفحہ 203

[3] الملل والنحل : 48 دار ابن حزم

[4] الوافي بالوفيات جلد26 صفحه68

ہشام بن عمرو ہشامیہ فرقہ کا سربراہ تھا، اور یہ معتزلہ کا ایک فرقہ ہے، جس کا رئیس یہی تھا، اس نے اپنے معتزلیوں سے بڑھ کر ایک بدعت یہ بھی ایجاد کی کہ جنت وجہنم ابھی پیدا نہیں ہوئیں اور متأخرین معتزلہ کا عقیدہ کہ جنت وجہنم ابھی پیدا نہیں ہوئیں اسی کا ایجاد کردہ ہے اور اس فوطی کے اصحاب میں سے ایک ابوبکر الاصم بھی ہے جس نے اس طرح کی ہر بدعت میں اس کی موافقت کی۔''

علامہ اسفرائینی نے مزید یہاں تک لکھ دیا کہ یہ جنت وجہنم کے وجود کا اقرار کرنے والوں کی تکفیر بھی کیا کرتا تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

"ومن فضائح الفوطي وبدعه قوله إن الجنة والنار ليستا بمخلوقتين الآن وإن كل من قال أنهما مخلوقتان الآن فهو كافر وهذا القول منه زيادة على ضلالة المعتزلة لأن المعتزلة لا يكفرون من قال بوجودهما وإن كانوا ينكرون وجودهما الآن"[1]

''فوطی کی برائیوں اور ایجاد کردہ بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ (وہ یہ کہتا تھا) جنت وجہنم کی ابھی تخلیق نہیں ہوئی، اور جو بھی جنت وجہنم کی تخلیق اور اس کے ابھی موجود ہونے کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ اس کا یہ قول گمراہی میں دیگر معتزلہ سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ دیگر معتزلہ قائلینِ وجود جنت وجہنم کی تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ وہ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔''

بہرحال یہ مؤقف تو معتزلہ کا ہے۔ جدید دور میں اس کے مظاہر اس طور پر نظر آتے ہیں کہ بعض جدت پسند معتزلہ سے بھی چند ہاتھ آگے نکل گئے اور سرے سے جنت وجہنم کے وجود کا ہی انکار کردیا۔ جس طرح عام معتزلہ سے ایک قدم آگے ہشام بن عمرو الفوطی تھا جو قائلین وجود جنت وجہنم کی تکفیر کرتا تھا، اب اس سے بھی ایک قدم آگے جدید معتزلہ کا گروہ ہے جو سرے سے جنت وجہنم کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

سرسید احمد خان کا عقیدہ

سرسید نے بھی جنت وجہنم کے وجود کا سرے سے انکار کیا۔ بلکہ جنت وجہنم کا سرے سے انکار

[1] التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين للاسفرائيني

کرنے والوں کو تربیت یافتہ دماغ اور اس کے وجود کے قائلین اور اس پر کما فی النصوص ایمان لانے والوں کو کوڑ مغز ملا اور شہوت پرست زاہد قرار دیتے ہیں، جس کی تفصیل آئینہ پرویزیت میں دیکھی جاسکتی ہے۔

پرویزیت کا عقیدہ

سرسید ہی کی سوچ اور وہی نظریہ پرویز اور ان کے پیروکار افراد میں نظر آتا ہے۔ پرویز نے آخرت کا سرے سے انکار کیا اور من مانی تاویلات گھڑیں اور قرآن مجید میں تفسیر بالرائے کی، جو کہ تحریفِ معنوی کے مترادف ہے۔ اس کے نزدیک یوم القیامۃ سے مراد انقلابی دور، حق و باطل کی آخری جنگ ہے اور جنت وجہنم کیفیات کا نام ہے۔

چنانچہ قیامت کے بارے میں لکھتا ہے:

''یوم القیامۃ سے مراد ہوگا وہ انقلابی دور جو قرآن کی رو سے سامنے آیا تھا۔''[1]

اپنی کتاب لغات القرآن میں سورہ طہٰ کی آیت نمبر 15 ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ﴾ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''اس کا یقین رکھو کہ حق و باطل کی آخری کشمکش کا وقت اب آیا ہی چاہتا ہے۔ یہ آکر ہی رہے گا۔''[2]

سورۃ الحجر کی آیت نمبر 85 ﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''آخری انقلاب کا وقت آنے والا ہے۔ وہ ضرور آکر رہے گا۔ یہ مخالفین ضرور تباہ ہو کر رہیں گے۔''[3]

جنت وجہنم کے بارے میں پرویز صاحب کا کیا نظریہ ہے؟ اس حوالے سے ایک جگہ اپنے باطل نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے پرویز لکھتا ہے:

''مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں، جن کی

---

[1] جہانِ فردا: ص133

[2] لغات القرآن، 919/1

[3] ایضاً

حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے۔''④

پرویز نے اپنی کتاب جہانِ فردا میں عنوان قائم کیا''جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے''① اور پھر اگلے ہی عنوان''جہنم کی تفاصیل'' کا آغاز کرتے ہوئے لکھتا ہے:''جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے،لیکن قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔''②

اور لفظ جنت کے لغوی مفہوم کو بیان کرنے کے بعد اپنے عقلانی گھوڑے دوڑانا شروع کرتا ہے اور جنت کے لفظ کو ایک تشبیہ اور استعارہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:'' قرآن کریم نے اسی لئے کامیاب زندگی کو باغ (جنت) سے تشبیہ دی ہے۔اس سلسلہ میں قرآن کریم نے انسانی زندگی کے تین گوشوں یا تین مراحل کا ذکر کیا ہے،مرحلہ اوّل انسان کی اس زندگی سے متعلق ہے جب ہنوز اس کی تمدنی زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا،اس وقت سامانِ رزق کی فراوانی تھی ،اور انسان''میری اور تیری'' کی تمیز سے نا آشنا تھا۔یہ وہ دور تھا جس میں انسانی لغت میں'' ملکیت'' کا لفظ نہیں آیا تھا،تمتع (استعمال یا فائدہ اٹھانے) کا تصور تھا،قرآنِ کریم نے اسے''جنتِ آدم'' کے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔اس کے بعد اس کی تمدنی زندگی شروع ہوئی تو انسانوں کے مفادات میں باہمی تصادم واقع ہوا جس سے پہلی زندگی کا دور ختم ہوگیا ، اس کے لئے اسے خدا کی طرف سے (بوساطت حضرات انبیائے کرام) راہنمائی دی گئی تاکہ یہ اپنی تمدنی زندگی کو بھی جنت ارضی بنالے، یہ جنت ارضی ،قرآنی معاشرے کا دوسرا نام ہے جس میں نہ صرف سامانِ زیست کی فراوانی ہوگی بلکہ انسانی ذات کی نشونما بھی ہوتی چلی جائے گی ۔موت کے بعد،طبیعی زندگی کا ساز وسامان تو یہاں رہ جائے گا اور انسانی ذات آگے جائے گی ،جس ذات کی نشوونما ہو چکی ہوگی وہ زندگی کی بلند ارتقائی منزل میں داخل ہوجائے گی ،قرآن کریم نے اسے بھی جنت کی زندگی کہہ کر پکارا ہے۔قرآن کریم میں''جنتِ آدم'' کا ذکر تو الگ آتا ہے،لیکن اس کے بعد، صحیح انسانی معاشرہ اور آخرت کی کامیاب زندگی (یعنی جنتِ ارضی اور جنتِ اخروی) کا

④ لغات القرآن:449/1، مطبوعه اداره طلوع اسلام لاہور

① دیکھئے جہانِ فردا:صفحہ 231

② جہانِ فردا:ص235

ذکر مخلوط طور پر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ جن نعمائے جنت کی تفصیل قرآن میں آئی ہے، جنتِ ارضی میں ان سے (وہی یا انہی جیسی کیفیت پیدا کرنے والی) مادی اشیاء مراد ہیں، لیکن جنتِ اخروی کے سلسلہ میں ان کے مجازی معنی لینے چاہئیں۔ یعنی سمجھنا یہ چاہئے کہ یہ ایک کیفیت کا نام ہے، جس کا ہم، اپنے شعور کی موجودہ سطح پر احساس و ادراک نہیں کر سکتے، اس لئے اسے تشبیہات و استعارات کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ زندگی، اس دنیا کی سی مادی زندگی نہیں ہوگی، اس لئے اس سے متعلق تفاصیل کو مادی پیکروں میں نہیں دیکھنا چاہئے، انہیں کیفیات سمجھنا چاہئے۔ (جہنم کی طرح) اُخروی جنت بھی کسی مقام کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے۔''[1]

مذکورہ بالا طویل اقتباس سے پرویز کے کئی ایک نظریات واضح ہوتے ہیں۔

- جنت محض ایک تمثیل ہے اور یہ ایک کیفیت کا نام ہے۔
- آدم علیہ السلام جس جنت میں تھے اور اخروی جنت دونوں علیحدہ چیزیں ہیں اور یہ کوئی جگہ نہیں بلکہ کیفیات ہیں۔
- اس اقتباس میں یہ بھی واضح ہے کہ پرویز صاحب ارتقائی نظریہ کے بھی حامل تھے۔

پرویز صاحب اپنی کتاب نظام ربوبیت میں لکھتے ہیں:

''جنت کی آسائشیں اور زیبائشیں وہاں کی فراوانیاں اور خوشحالیاں اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہوجاتی ہیں، مرنے کے بعد کی جنت کے سلسلہ میں ان کا بیان تمثیلی ہے۔ وہاں کی آسائشوں کی حقیقت کیا ہوگی، اسے ہم انسانی شعور کی موجودہ سطح پر نہیں سمجھ سکتے۔ نہ ہی یہ چیز اس وقت ہمارے زیر نظر ہے۔ اس وقت ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی رُو سے جنتی زندگی، آسائشوں اور خوش حالیوں کی زندگی ہے اور اس دنیا میں بھی حاصل ہوسکتی ہے اور اگلی دنیا میں بھی۔''[2]

گویا کہ دنیا میں بھی یہ کیفیت حاصل ہوسکتی ہے۔

بہرحال معتزلہ کی فکر وسوچ کے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے شرعی نصوص پر عقلانیت کو

---

[1] جہان فردا: 269، 270

[2] نظامِ ربوبیت: 82

فوقیت دے رکھی ہے۔ اب آیئے جانتے ہیں کہ ان باطل نظریات کے مدمقابل سلف صالحین کا موقف کیا ہے؟۔ اوران کے ادلہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

جنت وجہنم کی تخلیق کے حوالے سے سلف صالحین کا موقف

جنت وجہنم کی تخلیق ہوچکی ہے اور یہ اب موجود ہیں۔ البتہ اس کی تخلیق میں مزید اضافہ بھی ہوتا جائے گا۔

قرآن مجید سے دلائل:

پہلی دلیل: اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی مقامات پر جنت وجہنم کی تخلیق کے حوالے سے ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور فعل ماضی (گزشتہ زمانے میں) کسی کام کے ہوجانے کو بیان کرتا ہے۔

جہنم کے حوالے سے فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾

’’اگر تم یہ (قرآن جیسی سورت کا چیلنج پورا) نہ کر سکے اور ہرگز تم نہیں کر سکتے تو پھر جہنم کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جو کہ کفار کے لئے تیار کی گئی ہے۔‘‘ [البقرۃ : 24]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾﴾ [آل عمران : 131]

’’اس آگ سے ڈرو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے۔‘‘

﴿إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾﴾ [النباء : 21 - 22]

’’جہنم یقینا ایک گھات ہے، جو سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔‘‘

جنت کے حوالے سے فرمایا:

﴿وَسَارِعُوْٓا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾﴾

’’اور اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑ کر چلو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ ان متقین لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔‘‘ [آل عمران : 133]

ایک مقام پر فرمایا:

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾[الحدید: 21]

''تم اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے نکل جاؤ جس کی وسعت آسمان اور زمین کے عرض کے برابر ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

دوسری دلیل:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کا تذکرہ قرآن نے بیان کیا اور جنت کے وجود کا بھی اثبات کیا۔

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝﴾[النجم: 13]

''اور ایک مرتبہ اور بھی اس (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس (جبریل) کو، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، جس کے پاس یہی جنت الماوٰی ہے۔''

تیسری دلیل:

فرعونیوں کو قبر میں دیئے جانے والے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾[المومن: 46]

''وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔''

قرآن مجید کی ان تمام آیات اور اس مفہوم کی بکثرت آیات سے جنت وجہنم کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ اور ان آیات کو اپنی عقل سے سمجھنے کی بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی شخص اس اساس کو چھوڑ دے اور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے گا، یقیناً یہ عقلانیت اسے بڑا اجری بنادے گی اور وہ مسلّمہ عقائد کو بوجھ سمجھنے لگے گا۔ بہرحال قرآن مجید سے اس اہم عقیدے کے اثبات کے بعد اب آیئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی

طرف رجوع کرتے ہیں ، اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے جاری شدہ فرامین بھی اس حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

احادیث سے دلائل:

واضح رہے قرآن مجید کی طرح احادیث رسول ﷺ کی حیثیت بھی تشریعی ہے، جن لوگوں نے صرف قرآن کافی ہے کا نعرہ لگایا درحقیقت وہ ہوس پرست لوگ ہیں، اور قرآن کافی ہے کا نعرہ صرف دعوی کی حد تک ہے، اور حقیقت سے کوسوں دور ہے، اس آڑ میں صرف اپنی عقلانیت کو فروغ دے رہے ہیں اور مسلمانوں کے کئی ایک مسلمہ عقائد ان کی تشکیکات سے محفوظ نہ رہ پائے۔ اعاذنا الله منهم

نبی ﷺ کی احادیث کی حیثیت تشریعی ہے، خواہ عقائد ہوں یا فروعاتِ فقہیہ، اسی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم اپنے مدعا کو پیغمبر ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت کرتے ہیں۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو انصار کے ایک بچہ کا جنازہ پڑھانے کے لئے کہا گیا تو میں نے عرض کیا:

" یا رسول الله، طوبى لهذا، عصفور من عصافير الجنة، لم يعمل السوء، ولم يدركه"

اے اللہ کے رسول اس جنت کی چڑیوں میں سے چڑیا کے لئے خوشی ہو اس نے نہ کوئی گناہ کیا اور نہ ہی گناہ کرنے کے زمانے تک پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس کے علاوہ بھی کچھ ہوگا۔

"إن الله خلق للجنة أهلا، خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم، وخلق للنار أهلا، خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم"

”بے شک اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جنت کا اہل بنایا اور انہیں پیدا ہی جنت کے لئے کیا ہے اس حال میں کہ وہ اپنے آباؤ واجداد کی پشتوں میں تھے اور بعض کو جہنم کا اہل بنایا اور انہیں پیدا ہی جہنم کے لئے کیا ہے، جبکہ وہ ابھی اپنے آباؤ واجداد کی پشتوں میں تھے۔“[1]

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے

[1] صحیح مسلم : 2662، سنن ابی داؤد: 4713، سنن النسائی : 1947، سنن ابن ماجة: 82

فرمایا کہ

" بينا أنا نائم رأيتني في الجنة، فإذا امرأة تتوضأ إلى جانب قصر فقلت: لمن هذا القصر؟ فقالوا: لعمر بن الخطاب فذكرت غيرته فوليت مدبرا، فبكى عمر وقال: أعليك أغار يا رسول الله"[1]

’’میں نے خواب میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھا تو وہاں ایک عورت ایک محل کی جانب میں وضو کرتی ہوئی ملی، میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔ مجھے عمر کی غیرت کا خیال آیا تو میں فوراً واپس آ گیا (یہ سن کر) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بھلا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں۔‘‘

❁ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ابراہیم (بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور فرمایا:

"إن له مرضعا في الجنة"

’’جنت میں اس کو دودھ پلانے والی ہے۔‘‘[2]

❁ سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" للشهيد عند الله ست خصال: يغفر له في أول دفعة، ويرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر، ويأمن من الفزع الأكبر، ويوضع على رأسه تاج الوقار، الياقوتة منها خير من الدنيا وما فيها، ويزوج اثنتين وسبعين زوجة من الحور العين، ويشفع في سبعين من أقاربه "[3]

---

[1] صحيح بخارى: 3242، كتاب بدء الخلق ،باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة ، سنن ابن ماجة: 107، صحيح ابن حبان 54

[2] صحيح بخارى: 3255، كتاب بدء الخلق ،باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة۔

[3] جامع ترمذی:1663، علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

’’اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعامات ہیں۔ ❶ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ❷ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ ❸ عذاب قبر سے محفوظ اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ ❹ اس کے سر پر ایسے یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے۔ ❺ اس کی بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے شادی کر دی جاتی ہے۔ ❻ ستّر رشتہ داروں کے معاملہ میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔‘‘

❁ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اشتكت النار إلى ربها فقالت: رب أكل بعضي بعضا، فأذن لها بنفسين: نفس في الشتاء ونفس في الصيف، فأشد ما تجدون من الحر، وأشد ما تجدون من الزمهرير۔"[1]

’’دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردیوں میں، دوسرا گرمیوں میں۔ لہذا تم جو گرمی اور سردی کی شدت دیکھتے ہو (وہ انہی سانسوں کا اثر ہے)۔‘‘

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"هذا حجر رمي به في النار منذ سبعين خريفا، فهو يهوي في النار الآن، حتى انتهى إلى قعرها"[2]

’’یہ ایک پتھر ہے جو کہ ستر سال پہلے دوزخ میں پھینکا گیا تھا اور وہ لگا تار دوزخ میں گر رہا تھا

---

[1] صحيح بخارى: 3260،كتاب بدء الخلق ،باب صفة النار، وأنها مخلوقة۔صحيح مسلم:617،كتاب المساجد و مواضع الصلوة۔

[2] صحیح مسلم:2844،صحیح ابن حبان:7469،مسند ابی یعلی:6179،نیز دیکھئے:سلسلۃ الصحیحۃ: حدیث نمبر 1612 اور 2165

یہاں تک کہ وہ پتھر اب جہنم کی گہرائی تک پہنچا ہے۔''

❁ اسراء ومعراج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت وجہنم کا مشاہدہ کرنا، چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ یہ روئیداد بیان کرتے ہیں، اسی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی سیر کا یوں تذکرہ کیا:

'' ثم انطلق حتى أتى بي السدرة المنتهى، فغشيها ألوان لا أدري ما هي ، ثم أدخلت الجنة، فإذا فيها جنابذ اللؤلؤ، وإذا ترابها المسک''[1]

ترجمہ:''پھر جبرائیل چلے یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہی پہنچایا گیا اور اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے، میں نہ سمجھا کہ یہ کیا ہیں؟ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا (تو کیا دیکھتا ہوں) کہ اس میں موتی کی لڑیاں ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

'' إن أحدكم إذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشي، إن كان من أهل الجنة فمن أهل الجنة، وإن كان من أهل النار فمن أهل النار، فيقال: هذا مقعدک حتى يبعثک الله يوم القيامة''[2]

''جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو صبح وشام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ اہل جہنم میں سے ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اٹھائے گا۔''

❁ قبر میں منکر ونکیر کے سوالات کے حوالے سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں یہ ہے کہ جب نیک شخص تینوں سوالات کے صحیح جوابات دے دے گا آسمان سے ایک آواز آئے گی:

---

[1] صحیح بخاری: 3342، صحیح مسلم : 1633

[2] صحیح بخاری: 1379، کتاب الجنائز ، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشي، صحیح مسلم 2866:

" قد صدق عبدي، فأفرشوه من الجنة، وافتحوا له بابا إلى الجنة، وألبسوه من الجنة " قال: "فيأتيه من روحها وطيبها"

''میرے بندے نے سچ کہا، اسے جنتی بچھونا دے دو اور جنت کی جانب سے ایک دروازہ کھول دو اور جنتی لباس پہنا دو۔ اسے جنت کی ہوا اور خوشبو محسوس ہوتی رہے گی۔ اور کافر سے بھی یہی سوالات کئے جائیں گے اور وہ ان سوالات کے جوابات نہ دے پائے گا، تو آسمان سے آواز آئے گی:

"كذب، فأفرشوه من النار، وألبسوه من النار، وافتحوا له بابا إلى النار " قال :فيأتيه من حرها وسمومها"

''اس نے جھوٹ بولا، اسے جہنمی بچھونا دے دو، جہنمی لباس پہنا دو اور جہنم کی جانب سے ایک دروازہ کھول دو۔ اسے جہنم کی گرمی اور شدت محسوس ہوتی رہے گی۔ [1]

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایک سورج گرہن کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک واقعہ کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس دوران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے اور ایک دفعہ اپنی جگہ سے آگے بڑھے، لوگوں نے اس حوالے سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے کوئی چیز لے رہے تھے، اور پھر آپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے بھی دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" إني رأيت الجنة، فتناولت عنقودا، ولو أصبته لأكلتم منه ما بقيت الدنيا، وأريت النار، فلم أر منظرا كاليوم قط أفظع، ورأيت أكثر أهلها النساء" [2]

''میں نے جنت کو دیکھا، تو اس میں سے ایک خوشہ لینا چاہا اگر میں اسے پالیتا تو تم اس سے

---

[1] سنن ابی داود: 4753، كتاب السنة، باب في المسألة في القبر وعذاب القبر، وصححه الالبانی علامہ الالبانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] صحيح بخاری: 1052، صحيح مسلم : 907

اس وقت تک کھاتے جب تک دنیا قائم ہے اور مجھے جہنم دکھلائی گئی کہ آج کی طرح کا منظر میں نے کبھی نہ دیکھا تھا اور جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا۔'' پھر لوگوں نے جب جہنم میں عورتوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ بھی بتلائی کہ وہ اپنے شوہروں کی نافرمانی اور ناشکری کرتی ہیں۔'' ملخصاً

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"عرضت علي الجنة والنار، فلم أر كاليوم في الخير والشر، ولو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا"[1]

''میرے سامنے جنت اور جہنم کو پیش کیا گیا تو میں نے آج کے دن کی طرح کوئی خیر اور کوئی شر کبھی نہیں دیکھی اور اگر تم بھی وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔''

حدیث کے الفاظ ہیں کہ پھر صحابہ کرام یہ سنتے ہی اپنے سروں کو جھکا کر رونا شروع ہو گئے۔

❁ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" انما نسمة المؤمن طائر في شجر الجنة حتى يبعثه الله عز وجل إلى جسده يوم القيامة"[2]

'' مومن کی روح جنت کے درختوں پر پرواز کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف بھیج دے گا۔''

جامع ترمذی کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إن أرواح الشهداء في طير خضر تعلق من ثمر الجنة أو شجر الجنة"[3]

''شہدا کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں جو جنت کے پھلوں یا درختوں میں سے کھاتی پھرتی ہیں۔''

اس روایت سے روح کا جنت میں قیامت کے دن سے پہلے ہی داخل ہونا ثابت ہوجاتا ہے،

---

[1] صحیح مسلم : 2359

[2] سنن نسائی : 2073، سنن ابن ماجة : 4271و صححه الالبانی رحمه الله

[3] جامع ترمذی: 1641، وقال هذا حديث حسن صحيح ، و صححه الالبانی رحمه الله

جس سے یہ اعتراض باطل ہوجاتا ہے کہ ابھی اس کی تخلیق عبث ہے۔

بہرحال یہ تمام احادیث اس مفہوم کو بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں، کہ جنت وجہنم کا ابھی وجود ہے اور اس میں کسی قسم کی تمثیلی کیفیت نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ لہذا جنت پیدا ہوچکی ہے اور اس کا ابھی وجود ہے۔ البتہ سلف صالحین کا یہ بھی مؤقف ہے کہ اس کی تخلیق میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا بلکہ جنتیوں کے جنت میں داخل ہوجانے کے بعد بھی اس کی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ اضافے فرماتا رہے گا، جیسا کہ سبحان اللہ کہنے سے اللہ تعالیٰ ایک درخت جنت میں لگا دیتا ہے۔

سلف صالحین کے اقوال:

جنت وہ جہنم کی تخلیق اور موجود ہونے کے حوالے سے ذیل میں ہم سلف میں چند ایک کے اقوال بھی پیش کردیتے ہیں، تاکہ سلف صالحین اور فرق باطلہ کے مابین فرق مزید واضح ہوجائے۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ نے جنت کی تخلیق کے حوالے سے باب قائم کیا۔ ''باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة'' اور اس کے تحت متعدد آیات اور 17 کے قریب احادیث لائے، جن سے اس مسئلہ کو ثابت کیا۔ اور جہنم کے بارے میں بھی علیحدہ سے باب قائم کیا: ''باب صفة النار، وأنها مخلوقة'' اور اس باب کے تحت متعدد آیات اور دس کے قریب احادیث پیش کیں۔

❁ اس حوالے سے علامہ ھبۃ اللہ اللالکائی رحمہ اللہ اصول الاعتقاد میں جنت وجہنم کی تخلیق سے متعلق احادیث پیش کرتے ہوئے جو عنوان سجاتے ہیں وہ یہ ہے: ''سياق ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم في أن الجنة والنار مخلوقتان'' ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث کا بیان اس بارے میں کہ جنت وجہنم مخلوق ہیں۔''

❁ امام طحاوی رحمہ اللہ عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں: ''والجنة والنار مخلوقتان'' ''جنت وجہنم مخلوق ہیں۔''

❁ اس کی شرح میں علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے اس مؤقف کے بارے میں کہا ہے کہ اس پر سلف کا اتفاق ہے۔

❁ علامہ اسفرائینی رحمہ اللہ التبصیر فی الدین میں اس باطل فکر کے لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وكل من أنكر كون النار مخلوقة يقال له يوم القيامة ما اخبر الله عنه وهو قوله ﴿انْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ [المرسلات: 29]"

''اور جس نے بھی جہنم کے مخلوق ہونے کا انکار کیا ہے اسے قیامت کے دن کہا جائے گا: چلو اسی جہنم کی طرف جس کو جھٹلاتے تھے۔''

❁ امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ کی مستقل کتاب صفۃ الجنۃ ہے، جس میں انہوں نے جنت کے مخلوق ہونے کے حوالے سے تبویب قائم کی۔

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب البعث والنشور میں جنت کے ابھی پیدا اور موجود ہونے کے حوالے سے ابواب قائم کئے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری کے باب" ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة" کی شرح کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی ابھی موجود ہے، اوراس تبویب میں معتزلہ کا رد ہے۔''[1]

❁ یہی بات علامہ عینی رحمہ اللہ اسی باب کی شرح کے تحت فرماتے ہیں کہ جنت ابھی موجود ہے اوراس تبویب میں معتزلہ کا رد ہے۔[2]

❁ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی باب کی شرح کے تحت یہ فرمایا کہ جنت ابھی موجود ہے۔[3]

❁ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی سنن میں باب قائم کرتے ہیں: "باب في خلق الجنة والنار" ''باب ہے جنت وجہنم کی تخلیق کے بارے میں''۔

❁ امام دارمی رحمہ اللہ اپنی سنن میں باب قائم کرتے ہیں: " باب صفة الجنة وأهلها وما أعد الله للصالحين فيها" ''جنت اوراہل جنت کے اوصاف کے بارے میں باب اوراس بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے صالحین کے لئے تیار کر رکھا ہے۔''

❁ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اپنی مصنف میں باب قام کرتے ہیں: "ما ذكر في الجنة وما فيها مما

---

[1] فتح الباری
[2] عمدۃ القاری
[3] ارشاد الساری

أعد لأهلها" ''باب ہے جو کچھ مذکور ہے جنت کے بارے میں اور جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔'' اور اسی مفہوم کا باب جہنم کے لئے بھی قائم کیا۔"ما ذکر فیما أعد لأهل النار وشدته" ''باب ہے جو کچھ مذکور ہے کہ اللہ نے جہنم میں اہل جہنم میں جو عذاب تیار کر رکھا ہے اور اس جہنم کی شدت کا بیان''۔

بہرحال سلف صالحین کا مؤقف جنت وجہنم کے حوالے سے یہی ہے کہ یہ مخلوق وموجود ہیں، اس لحاظ سے قدیم معتزلہ کے مخالف یہ مؤقف ہے اور جدید معتزلہ سرسید، پرویز وغیرہ جنہوں نے سرے سے انکار کر کے قرآنی آیات کی من مانی تاویل کر کے مجازی معنی مراد لیا یہ مؤقف بھی سلف صالحین کے برخلاف ہے۔اور قدیم معتزلہ کے مؤقف سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ ائمہ سلف میں سے یہ معنی یا کوئی بھی ایسا معنی جو حقیقی معنی کے بجائے مجاز پر محمول کیا جائے ایسا ثابت نہیں۔لہذا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عقیدہ بالآخرۃ کو سمجھنے اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق اس پر کاربند رہنے اور نئی تشکیکات اور باطل افکار سے محفوظ رکھے۔آمین

اثباتِ جنت وجہنم کے عقیدہ کی حکمتیں

شریعت اسلامیہ کا عطا کردہ یہ عقیدہ عبث نہیں بلکہ اس کے کئی ایک فوائد ہیں، جنہیں شریعت نے ملحوظ رکھا ہے۔لیکن اس کا یہ معنیٰ بھی نہیں کہ شریعت نے یہ بس ترغیب وترہیب کے لئے رکھی ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں اگر کوئی اس قسم کی تعبیر کرتا ہے تو یہ ایک بہت بڑا افتراء اور شریعت اسلامیہ کی تنقیص ہے گویا کہ ان کے زعم باطل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ دین جھوٹے وعدے اور تسلیاں دیتا ہے۔لہٰذا اس قسم کے باطل افکار سے خود کو بچا کر سلف صالحین والے عقیدہ کو ہی اپنانا چاہئے کہ جنت و جہنم مخلوق ہے اور پیدا ہو چکی ہیں اور ابھی موجود ہیں، اور یہ کوئی تمثیلی چیزیں نہیں بلکہ یہ حقیقت ہیں، جن پر کامل یقین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے۔ اور یہ صحیح ایمان ہی دنیا کی فراوانیوں سے دور کر کے حقیقی مقصد کی طرف توجہ بڑھاتا ہے۔اور عقیدہ بالآخرۃ کے مقاصد میں سے یہ بھی حکمت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جنت وجہنم کو ترغیب وترہیب کے لئے بنایا ہے۔

جنت کی تخلیق میں حکمت

جنت کی تخلیق میں کئی ایک حکمتیں اور مقاصد پوشیدہ ہیں، جہاں جنت اس لئے ہے کہ اس کے ذریعے نیکوکار لوگوں کو ان کی محنتوں اور جہود کا اچھا سلسلہ ملے، وہیں اس کے حوالے کامل ایمان سے انسان میں نیکیوں کا شوق بڑھتا ہے، اور انسان سبیل مستقیم پر گامزن ہوتا ہے اور یہ جنت کی حکمتوں میں سے اہم ترین حکمت ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بیش بہا نصوص نیکیوں کی ترغیب دلاتے ہوئے بطور تشویق جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ١٣٣﴾

''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑ کر چلو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ متقین لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''موضع سوط فی الجنة خير من الدنيا وما فيها ''[1]

''جنت میں ایک لاٹھی کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

جہنم کی تخلیق، حکمت

جس طرح اثباتِ جنت کا عقیدہ عبث نہیں، اسی طرح جہنم بھی کافر اور گناہ گار لوگوں کے لئے عذاب کی جگہ بھی ہے۔ اور اس پر کامل ایمان میں ایک اہم ترین حکمت جو پنہاں ہے وہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے کافر اور گناہ گار لوگوں کو ڈرایا گیا ہے، تاکہ وہ اس کے عذاب اور گناہوں کے حوالے سے مذکور وعیدوں سے ڈر کر گناہوں کی دلدل سے باہر آئیں، اور دنیا میں نیکیوں سے مشغول ہو کر اپنی اخروی زندگی کو بھی سنوار لیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے حکم دیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ٦﴾[التحریم :6]

---

[1] صحیح بخاری: 3250

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ انہیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾[الشعراء : 214]

اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لوگوں کو بلایا اور ان کے ہر ہر قبیلے کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: ”اے قریش کی جماعت! تم اپنی جانوں کو بچاؤ، میں اللہ کے عذاب سے تمہیں کچھ بھی نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا اور اے صفیہ! (رسول اللہ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کیسے بچا سکتا ہوں اور اے فاطمہ بنت محمد! تم مجھ سے میرا مال جس قدر چاہو لے لو، مگر میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔“[1]

ان نصوص اور اس مفہوم کی بے شمار آیات و احادیث میں واضح ہے کہ جہنم کے بارے میں یہ بیانات انذار کے لئے ہیں، تاکہ انسان ان گناہوں اور معاصیات سے محفوظ رہے جو اسے جہنم میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں، اور ان حسنات کو بجالائے جو اسے جنت کی نعمتوں کا وارث بنا دیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کا خوف کامل طور پر ہمارے دلوں میں ڈال دے اور اس کے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھے، اور جنت کا شوق کامل طور پر ہمارے دلوں میں ڈال دے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق بنا دے۔ آمین

---

[1] صحیح بخاری: 2753، صحیح مسلم : 208

مدینہ طیبہ
و
مسجد نبوی ﷺ
کے فضائل واحکام

فضیلۃ الشیخ علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

فضائل مدینہ طیبہ:

احادیث میں مدینہ طیبہ کی بڑی فضیلت مذکور ہے، یہاں کچھ احادیث لکھی جاتی ہیں۔

1 امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن اور یہ صحیفہ لکھا جس میں مذکور ہے کہ ''مدینہ دو پہاڑوں عیر سے ثور تک حرم ہے۔ پس جس نے بھی اس میں بدعت یا کسی اور برے عمل کا ارتکاب کیا یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول نہیں کی جائے گی''۔ [1]

2 سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں مدینہ کو دو پتھریلی زمینوں

[1] بخاری :1870۔فضائل المدینۃ۔ باب حرم المدینۃ، مسلم :1370الحج۔ باب ۔فضل المدینۃ

کے درمیان حرم قرار دیتا ہوں اس کی حدود میں نہ درخت کاٹا جائے نہ شکار کیا جائے۔ اگر لوگ جان جائیں تو مدینہ میں رہنا ان کیلئے بہتر ہے، اور جو مدینہ سے بے رغبتی اختیار کر کے منہ موڑتا ہے اور مدینہ چھوڑتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے اس سے بہتر آدمی لائے گا اور جو اسکی مصیبتوں اور تکالیف پر صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ رہتا ہے تو میں اس کیلئے سفارش کرنے والا اور گواہ ہوں''۔ [1]

3 سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو دو پہاڑوں کے درمیان حرم قرار دیتا ہوں اس میں نہ خون بہایا جائے نہ لڑائی کیلئے اسلحہ اٹھایا جائے اور نہ درخت کاٹا جائے مگر گھاس اور چارہ کاٹنے کی اجازت ہے''۔ [2]

4 ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ آئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بخار تھا۔ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ! ہمیں مدینے کے ساتھ مکہ جتنا یا اس سے بھی زیادہ پیار عطا کر اور اسکو صحت افزا مقام بنا دے اور ہمارے ناپ تول کے پیمانے میں برکت عطا کر اور یہاں کی بیماری کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ [3]

5 سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم ہوا ہے، جو تمام گاؤں اور بستیوں پر غالب آنے والی ہے۔ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں۔ اور وہ مدینہ ہے۔ یہ شہر لوگوں کو کفر سے اس طرح صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کو صاف کرتی ہے''۔ [4]

---

[2] مسلم :1336الحج۔ باب ۔فضل المدینة

[2] مسلم :1360الحج۔ باب ۔فضل المدینة

[3] بخاری :1889فضائل المدینة۔ باب حرم المدینة، مسلم :1370الحج۔ باب ۔فضل المدینة

[4] بخاری :1871فضائل المدینة۔ باب فضل المدینة، مسلم :1382الحج۔ باب تنفی المدینة

6 سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ کو طابہ (پاک اور بہتر) کا نام دیا ہے''۔ (1)

7 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مدینہ کی گلیوں پر فرشتے ایستادہ ہیں تاکہ اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوسکیں''۔ (2)

8 سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اہل مدینہ کیلئے بری سوچ سوچے گا تو وہ ایسے گل سڑ کر تباہ ہو جائیگا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے''۔ (3)

9 سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سفر سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مدینہ کی دیواروں پر پڑتی تو فرطِ جذبات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کو دوڑاتے اور اسکو تیز کر دیتے۔ (4)

10 سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ میں دجال کا خوف اور دبدبہ داخل نہیں ہوسکے گا، اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے ایستادہ ہوں گے''۔ (5)

11 سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: ''یا اللہ! مدینہ میں مکہ معظّمہ سے دگنی برکت نازل فرما''۔ (6)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت:

1 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری مسجد (نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

---

(1) مسلم :1384الحج- باب -تنفی المدینة -

(2) بخاری :1880-فضائل المدینة- باب لایدخل الدجال المدینة، مسلم :1379الحج- باب -صیانة المدینة

(3) بخاری :1877-فضائل المدینة- باب حرم المدینة، مسلم :1387الحج- باب -فضل المدینة

(4) بخاری :1886،فضائل المدینة باب حرم المدینة-

(5) بخاری1885فضائل المدینة مسلم :1369الحج باب الترغیب فی سکنی المدینة

(6) بخاری : 1889،مسلم :1395

ایک نماز بیت اللہ کے علاوہ دوسری تمام مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے (اجر) میں زیادہ ہے''۔ [1]

2 سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہوگیا جس کا ذکر قرآن میں ہے کہ! ''اسکی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔'' (سورہ توبہ) ایک نے کہا اس سے مراد مسجد نبوی ہے، اور دوسرے نے کہا کہ مسجد قبا پھر ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ مسجد قبا میں بھی بہت سی بھلائیاں ہیں۔ [2]

مدینہ طیبہ کی طرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت سے جانا چاہیے:

1 سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف زیارت کی غرض سے نہیں جانا چاہیے''۔

① مسجد حرام ② مسجد اقصیٰ ③ میری مسجد (نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) [3]

2 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے ملا انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا کہ طور پہاڑ سے آرہا ہوں! کہنے لگے کہ آپ کے وہاں جانے سے پہلے اگر آپ کی مجھ سے ملاقات ہوجاتی تو شاید آپ وہاں نہ جاتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے تین مقامات کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت کیلئے سواریوں کو نہ دوڑایا جائے۔ (سفر نہ کیا جائے)

① مسجد حرام (کعبہ) ② میری مسجد (نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ③ ایلیاء (بیت المقدس) [4]

قارئین کرام! ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قبروں، مزارات اور آستانوں کی زیارت کا قصد کرنا اور سفر کرکے وہاں جانا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف ان تین مقامات تک محدود ومخصوص ہے لیکن

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، مسلم :1398، ترمذی :3099۔

[2] مسند احمد، مسلم :1398، ترمذی :3099۔

[3] بخاری :1189، مسلم :827۔

[4] مؤطا امام مالک ص :38، نسائی :145/1۔

علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا، اسی طرح صالح بندوں، مسلمان بھائیوں اور دیندار دوستوں کی زیارت کرنے اور ان کے ساتھ ملاقات کرنے کی ترغیب احادیث میں وارد ہے۔لہٰذا یہ دونوں زیارتیں اور ملاقاتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب

❶ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔[1]

''اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ''

"یااللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ''

"یااللہ! میں تجھ سے تیری بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

''بِسْمِ اللہِ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ''

"اللہ کے نام کے ساتھ اور سلام ہو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یااللہ! میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

اور جب نکلتے تھے تو یہ کلمات کہتے تھے۔

''بِسْمِ اللہِ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ''

"اللہ کے نام کے ساتھ اور سلام ہو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یااللہ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے"۔[2]

---

[1] مسلم، مشکوٰۃ ص 28

[2] ابن ماجه :771اورترمذی :314الصلاة باب ماجاء مايقول عند دخوله المسجد

❷ ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (مسجد سے نکلتے وقت) جب تم میں سے کوئی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ

"یا اللہ میں ابلیس اور اس کے لشکر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ [1]

❸ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: '' تم میں سے جو شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے''۔ [2]

لہٰذا زیارت کرنے والے کو بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئیں۔

بہشتی باغ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ''مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة ومنبری علی حوضی'' [3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: '' میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا ممبر حوض کے اوپر ہے''۔

تشریح: اس حدیث سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حصے کی خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا جتنا وقت ملے تو اس حصے میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر، قرآن کی تلاوت اور نفلی عبادت کرنی چاہئے مگر یہاں اکثر رش ہوتا ہے اس لیے عوام الناس کو تنگ کر کے اپنے آپ کو تکلیف دیکر اور دھکے کھا کر اس طرح کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس طرح ثواب و اجر کے بدلے گناہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پوری مسجد عبادت اور تلاوت کیلئے بہتر ہے۔ اس حدیث سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ

---

[1] ابن سنی ،ص :43حدیث: 154

[2] بخاری :714صلاۃ المسافرین باب استحباب تحیة المسجد برکعتین، مسلم ،مشکوٰۃ ص28

[3] بخاری 1196فضل الصلاۃ مکة ومدینة ،مسلم:1391

دونوں ایسی جگہ پر مدفون ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ یہ حدیث شیعہ کی مشہور ومعروف کتاب "الفروع الکافی"[1] میں بروایت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے۔ جبکہ فروع الکافی کا مصنف ان کا ثقہ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی ہے۔ لہٰذا شیعہ حضرات کو بھی ان کے ایمان، تقویٰ اور ولایت میں شک نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ان کا ایمان اور اعلیٰ مرتبہ ایسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو سنی ہوں خواہ شیعہ ہوں دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چالیس نمازیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری مسجد میں مسلسل چالیس نمازیں پڑھیں اور اس سے ان کے درمیان کوئی نماز فوت بھی نہیں ہوئی تو اس کیلئے جہنم کی آگ، عذاب اور نفاق سے براءت لکھی جائی گی۔ [2]

قارئین! یہ ایک فضیلت اور بھلائی ہے ہر مسلمان کو اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن یہ عمل نہ تو فرض ہے اور نہ حج کے احکامات میں سے ہے۔ بعض لوگ اس عمل کے رہ جانے پر حسرت کرتے ہیں یا حج میں شک کرتے ہیں تو یہ محض نادانی ہے، لہذا اگر کبھی وقت سفر قریب آجائے اور آدمی یہ چالیس نمازیں پوری نہ کر سکے تو اسے تنگ دلی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے حج اور زیارت میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ اگر بغیر تکلیف و پریشانی کے اس فضیلت کے حصول کا موقعہ میسر آجائے تو اس بھلائی سے دریغ نہیں کرنی چاہیے۔

قبر مبارک کی طرف جانا

تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد قبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف زیارت کیلئے جانا چاہیے اور اسی طرح سلام کرنا چاہیے جیسے قبرستان میں کہنے کا حکم ہے۔ اس بارے میں دو حدیثیں درج ذیل ہیں۔

---

[1] 4/454۔ طبع طھران

[1] رواہ احمد:3/155 والطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات کمافی مجمع الزوائد4/ 8

1 سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو قبرستان جاتے وقت کی یہ دعا سکھاتے تھے۔ [1]

"اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لاَحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ"۔

"سلامتی ہو تم پر اے مؤمن اور مسلمان گھر والو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں اور ہم اپنے اور تمہارے لیئے اللہ سے خیر و عافیت مانگتے ہیں"۔

2 سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا (یعنی دعا مانگی)۔ [2]

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ [3]

"اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔"

ان دونوں سلاموں میں سے جو سلام بھی پڑھے کافی ہے، اور اگر دونوں سلام پڑھے تب بھی صحیح ہے۔

فصل: بار بار قبر مبارک پر جانا مسنون نہیں ہے، بلکہ پوری مسجد میں جس جگہ بھی درود اور صلوٰۃ زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید (بار بار آنے والی جگہ) نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچے گا، تم جہاں بھی ہو"۔ [4]

سیدنا علی بن حسین یعنی زین العابدین سے روایت ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو دیکھا کہ وہ رسول

---

[2] مسلم: 974۔ الجنائز باب مایقال عند دخول القبور...الخ

[2] مسلم: 974۔ الجنائز باب مایقال عند دخول القبور...الخ

[3] ترمذی، وقال هذا حديث حسن غريب

[4] رواه ابو داؤ باسنادحسن، رواته ثقات كذا فی کتاب التوحيد للشيخ محمد بن عبد الوهاب ص: 257-56 مع شرحه فتح المجيد

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس ایک کھڑکی سے داخل ہوکر دعا مانگا کرتا تھا۔ سیدنا زین العابدین نے اسے منع کیا اور کہا کہ میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے والد سے سنی اور انہوں نے میرے دادا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ مجھ پر درود وسلام پڑھتے رہا کرو۔ کیونکہ تمہارا سلام مجھے پہنچتا ہے چاہے تم کہیں بھی ہو''۔ [1]

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ بار بار قبر مبارک پر جانا اور دعا سلام پڑھنا مسنون طریقے کے خلاف ہے اور اسی معنی کی ایک حدیث سنن سعید بن منصور میں حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''ماانتم ومن بالاندلس الاسواء'' بار بار آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر تم یہاں درود پڑھو یا کہ شہر اندلس میں پڑھو دونوں برابر ہیں۔ [2]

لہٰذا ایک دفعہ جانا ہی کافی ہے باقی عورتوں کو تو قبر مبارک پر ہرگز نہیں جانا چاہیے کیونکہ عورت کے قبر پر جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ اور لعنت فرمائی ہے۔ [3]

مسجد قبا کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتے کے دن کبھی پیدل تو کبھی سوار مسجد قبا آتے تھے اور اس میں دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ [4]

مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد وہاں کی مساجد کی زیارت کرنے سے کوئی ممانعت نہیں اسی طرح احد پہاڑ کی زیارت بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے حوالہ سے صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ [5]

---

[1] الاحادیث المختارة:395

[2] فتح المجید ص258

[3] جامع ترمذی:294

[4] بخاری:1194 ،مسلم :1399)مشکوۃ ص68

[5] صحیح بخاری ، کتاب المغازی، باب احد یحبنا۔۔۔:3800

اسی طرح شہدائے احداور بقیع الغرقد کے قبرستانوں کی زیارت کرنا، وہاں سے نصیحت حاصل کرنا اوران کے حق میں دعا کرنا بھی جائز ہے مگر مدینہ کے باہر سے خاص ان کی زیارت کا قصد کر کے جانا اوران کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

الغرض یہاں جتنا بھی وقت ملے وہ عبادت، نیکی، تلاوت اور نماز و درود وسلام میں گزارنا چاہیے۔ کچھ لوگ وہاں سے روضہ کی دیوار کے گرے ہوئے ٹکڑے ساتھ لے آتے ہیں اور مٹی کے بنے ہوئے ٹکڑے جن پر نقش بنا ہوتا ہے ان کو خاک شفا کہتے ہیں یہ سب کام ناجائز اور شرکیہ کاموں میں داخل ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں۔

وللہ الحمد حمد اکثیر طیباً مبارکا فیہ مبارکا علیہ کمایحب ربنا ویرضی

انکارِ حدیث کا مطلب
اور منکرِ حدیث کا مصداق کون؟

حافظ صلاح الدین یوسف [1]

سوال: انکار حدیث کا مطلب اور منکر حدیث کا مصداق کون ہے؟

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وبعد

الجواب بعون الوهاب واليه المرجع والمآب

یہ سوال اور اس کا جواب، اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مستشرقین کے ڈسے ہوئے یا شاید مغرب کی عشوہ طرازیوں سے مسحور، یا اپنے خودساختہ نظریات کے فتراک کے نخچیر، جس حدیث کو چاہتے ہیں قبول کر لیتے اور جس کو چاہتے ہیں رد کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ احادیث جن کی صحت پر امت مسلمہ متفق ہے اور انہیں امت کا تلقی بالقبول حاصل ہے (جیسے صحیحین کی احادیث اور دیگر صحیح احادیث ہیں) تو وہ اگر ان کے مزعومات اور باطل نظریات کے خلاف ہوتی ہیں تو وہ مردود اور ضعیف و منکر، حتیٰ کہ موضوع روایت سے بھی اگر ان کا مطلب پورا ہوتا ہو تو وہ مقبول قرار پاتی ہیں۔

اس طرح وہ بہت سی صحیح حدیثوں کو خلاف قرآن یا عقل کے خلاف باور کراتے ہیں اور ان کو رد

[1] مشیر وفاقی شرعی عدالت، نگران شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

کر دیتے ہیں۔ جب کہ مسلم امّہ کے علماء اور ائمہ احدیث، ہر اس حدیث کو صحیح اور قابل حجت سمجھتے ہیں جو محدثین کے بنائے ہوئے نقد و تحقیقِ حدیث کے اصول اور ضوابط جرح و تعدیل کی روشنی میں صحیح قرار پاتی ہے یا قرار پائی ہے اور جو اس کے برعکس ہیں وہ ضعیف، منکر یا موضوع ہیں اور وہ نا قابلِ حجت ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے امّت اور ائمہ حدیث کے نزدیک کوئی بھی صحیح حدیث نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ عقل کے خلاف۔ صحیح حدیث کو خلافِ قرآن یا خلاف عقل قرار دینا، ہر باطل گروہ کا شیوہ رہا ہے اور ہے، کیونکہ اس کے بغیر ان کے باطل نظریات کا اثبات ممکن نہیں۔

جیسے حد رجم کی روایات ہیں۔ یہ متواتر بھی ہیں کہ تین درجن صحابہ سے مروی ہیں۔ اور ان کی صحت پر پوری امّت کا اجماع و اتفاق بھی ہے۔ لیکن ایک گروہ اپنے خودساختہ نظریہ رجم کے اثبات کے لئے ان روایات کو خلاف قرآن باور کرا کے ردّ کر رہا ہے۔ [1]

اس طرح حدیث، ان باطل نظریات کے حامل گروہوں کے ہاں تختہ مشقِ ستم بنی ہوئی ہے اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو حدیث کا حمایتی اور حدیث کا ماننے والا باور کراتے ہیں۔ لیکن حدیث کو ردّ کرنے کے لئے حدیث کی ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے حدیث از خود مردود قرار پا جاتی ہے۔ جیسے اس گروہ کے بزرگ نے کہا کہ: حدیث اور سنت دو الگ الگ چیزیں ہیں، سنت تو امّت کا وہ تواترِ عملی ہے جس کی رو سے نماز وغیرہ عبادات کے طریقے مسلّمہ چلے آ رہے ہیں اور یہ قرآن کی طرح حجت ہیں اور حدیث کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات۔ لیکن احادیث چونکہ ظنی (یعنی مشکوک) ہیں اس لئے یہ غیر محفوظ اور نا قابلِ اعتبار ہیں۔ [2]

یوں سنت و حدیث کی الگ الگ تعریف کر کے سارے ذخیرہ حدیث کو رد کر دیا۔ اس لئے ان صاحب نے صحیحین کی بیسیوں روایات کو مردود قرار دے دیا ہے۔

ان صاحب کے شاگرد نے نہلے پر دھیلا مارتے ہوئے اس میں اور اضافہ کیا اور فرمایا کہ ''سنت

---

[1] اس کی پوری تفصیل اور مدلل ردّ کے لئے ملاحظہ ہو، راقم کی دو کتابیں" حد رجم کی شرعی حیثیت" اور" فتنہ غامدیت" ۔

[2] دیکھئے۔" مبادیٔ تدبر حدیث" اور مقدمہ تفسیر تدبر قرآن

دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا''۔[1]

اوران سنتوں کی تعداد بھی انہوں نے متعین فرمادی ہے کہ وہ صرف 27 ہیں۔اوراس کے ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ ''سنت یہی ہے۔ان کے علاوہ یعنی قرآن اور ۲۷ سنتوں کے علاوہ) کوئی چیز دین ہے نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے'' (حوالہ مذکورہ)

کیسا ادعائی انداز ہے اور کتنا بڑا دعویٰ ہے کہ دین صرف یہ 27 سنتیں ہیں۔

اس شوخ چشمانہ جسارت کا حوصلہ ان صاحب کے اندر کس نے پیدا کیا؟ صرف سنت کی اپنی گھڑی ہوئی تعریف نے۔اس طرح ان کے پیش رو اور "امام استاذ" مولانا امین احسن اصلاحی نے حدیث اور سنت کو الگ الگ کر کے سارے ذخیرہ احادیث کو غیر محفوظ اور ایک دفتر بے معنی قرار دے دیا۔اوراس کی وجہ بھی ان کا علمی پندار اور زعم ہمہ دانی، نیز حدیث وسنت کے درمیان تفریق کرنا ہے۔ جب کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں لفظ مترادف المعنی ہیں اور دونوں سے مراد اقوال و افعال اور تقریرات رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

بہرحال یہ فراہی گروہ اوراس طرح کے دیگر گروہ، جوقرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنے کے قائل نہیں، بلکہ لغت یا اپنے خودساختہ نظریات کی روشنی میں قرآن کی من مانی تفسیر کرنے کے قائل ہیں۔یہ سارے گروہ حدیث کے بارے میں ذہنی تحفظات رکھتے ہیں، اس لئے بالکلیہ حدیث کو ردّ نہیں کرتے بلکہ اپنے مزعومات کے مطابق حدیث کو مانتے یا اس کو ردّ کرتے ہیں۔ردّ وقبولِ حدیث کے ان مسلمہ اصولوں کو نہیں مانتے جو محدثین نے وضع کئے اور پوری امت انہی کی روشنی میں حدیث کو قبول یا ردّ کرتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی بھی گروہ کلی طور پر حدیث کا منکر نہیں ہے۔اگر ایسا

---

[1] میزان۔از جاوید احمد غامدی،ص 14،طبع سوم،2008

ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انکار حدیث کا فتنہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور فتنہ انکارِ حدیث کا جو شور و غوغا ہے وہ یوں ہی ہے۔ حقیقت میں کوئی بھی منکرِ حدیث نہیں ہے۔

انکارِ حدیث کا مطلب اور اس کا مصداق:

لیکن کیا واقعتاً ایسا ہی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انکارِ حدیث کا فتنہ اپنی پوری حشر سامانی کے ساتھ نہ صرف موجود ہے بلکہ روز افزوں اور وسعت پذیر ہے۔ اس لئے ہمیں غور کرنا ہوگا کہ انکارِ حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور اسکا مصداق کون یا کون کون ہیں؟

گمراہ فرقوں اور ان کی گمراہیوں کا علیٰ وجہ البصیرت جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلّمہ اصلاحات کو ان کے مسلّمہ مفہوم کے مطابق ماننے کے بجائے، ان کے مفہوم میں تبدیلی کرنا اور اپنے ذہنی تحفظات یا خود ساختہ نظریات اور باطل مزعومات کی روشنی میں ان کا نیا مفہوم گھڑنا، یہ ان کی گمراہی کی اصل بنیاد ہے اور اس فن کارانہ چابکدستی سے وہ بہت سے لوگوں کو یا کم از کم اپنے حلقہ ارادت کو یہ باور کروا دیتے ہیں کہ وہ ان چیزوں (مسلمات) کے منکر نہیں ہیں جو ان اصطلاحات کا متبادر مفہوم ہے، یا اگر وہ ان کے منکر ہیں تو اس کی وجہ وہ احادیث ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں۔ جیسے پرویزی گروہ ہے جس نے صلاۃ و زکوٰۃ کے مسلّمہ مفہوم کو بدل کر ان کا ایک نیا مفہوم گھڑا جس کی بنیاد حدیث کے بجائے سنت پر ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں، غلام احمد پرویز لکھتا ہے:

''الصلوٰۃ، صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے، وہ صراط جس کے بارے میں فرمایا کہ انّ ربّی علیٰ صراطٍ مّستقیم ''تیرے نشوونما دینے والے کا قانون ربوبیت، خود متوازن راہ پر چل رہا ہے'' اس کے پیچھے پیچھے تم بھی چلتے جاؤ۔ مُصلّی، اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑا دوڑ میں پہلے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو، جو اِدھر اُدھر کی راہوں میں نکل جائے وہ مُصلّی نہیں''[1]

یہ اقتباس لغت کے بَل پر تفسیر کرنے کا شاہکار ہے۔ پہلے اِنّ ربّی علیٰ صراطٍ مُّستقیم کا سیدھا ترجمہ: (میرا رب سیدھے راستے پر ہے) چھوڑ کر ''لغوی ترجمہ'' ملاحظہ ہو: ''تیرے نشوونما دینے

---

[1] سلیم کے نام ۱۵۳ / ۱۵۱

والے کا قانون ربوبیت، خود متوازن راہ پر چل رہا ہے''

یہ ترجمہ لغوی ہے یا نہیں؟ تاہم فکر پرویزی یا حیلہ پرویزی کا پورے طور پر غماز ہے کیونکہ اسی پرویزی مفہوم پر ''الصلوٰۃ'' کا لغوی مفہوم متفرع ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہے: ''اس کے پیچھے پیچھے تم بھی چلتے جاؤ''، اس کے بعد حاصل مراد ملاحظہ ہو: ''مُصلّی، اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑا دوڑ میں پہلے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو''، لیکن مُصلّی کے معنی (نماز پڑھنے والا) نہیں بلکہ پیچھے پیچھے چلنے والے گھوڑے کے ہیں۔ اور جس ''قانون ربوبیت'' کے پیچھے پیچھے چلنا ہے، وہ کیا ہے؟ کمیونسٹ نظام، یا سوشلزم ہوگا اور مُصلّی (نماز پڑھنے والے) سے مراد ہے جو اس نظام کے پیچھے پیچھے چلے گا۔

یہ قرآن کی لغوی تفسیر کا کیسا شاہکار نمونہ ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

زکوٰۃ کے بارے میں بھی پرویزیوں کی لغوی تفسیر ملاحظہ ہو:

''ایتائے زکوٰۃ'' اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ یعنی تمام افرادِ معاشرہ کو سامان نشوونما بہم پہنچانا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر اس کی تمام آمدنی ''زکوٰۃ یعنی ذریعہ'' نشوونما کہلاسکتی ہے''[1]

یعنی ایتائے زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب کی ذمّہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ حکومت کی ذمّہ داری ہے۔ گویا نماز کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی فراغت۔ مزید ملاحظہ فرمائیے:

''ہمارے ہاں ''ایتائے زکوٰۃ'' کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ زکوٰۃ دیں گے (یعنی لوگ زکوٰۃ دیں گے) اور زکوٰۃ سے مراد لیا جاتا ہے کہ جمع شدہ مال و دولت سے سال کے بعد اڑھائی فیصد روپیہ نکال کر غریبوں کو دے دینا۔۔۔'' ایتائے زکوٰۃ کا یہ مفہوم قرآنی نہیں''[2]

اس طرح غلام احمد پرویز نے احادیث اور مسلّماتِ اسلامیہ کو نظر انداز کر کے لغت کے نام پر

---

[1] طلوع اسلام، جولائی 1966ء، ص62

[2] طلوعِ اسلام، فروری 1971ء-ص39- ستمبر 1983ء، ص36

قرآنی حقائق کو جن کا صحیح تعین احادیث سے ہوتا ہے، بری طرح مسخ کر کے اسلام کا ایک نیا ایڈیشن تیار کیا ہے۔اور یہ صرف پرویز ہی نہیں اور بھی بعض ''اہلِ علم'' نے اسی منہج پر چلتے ہوئے قرآنی حقائق اور مسلّمات اسلامیہ سے انحراف کیا ہے۔ایک ایسے ہی پرویز و غامدی کے ہم نوا پروفیسر خورشید عالم صاحب ہیں۔ان صاحب نے ''لغات قرآن اور عورت کی شخصیت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عورت کے بارے میں ان تمام اسلامی تصورات کی نفی کی گئی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور چودہ سو سال سے امّتِ مسلمہ میں مسلّم چلے آرہے ہیں مثلاً

- عورت کو پردے میں رکھنا، اس کو زندہ درگور کر دینا ہے۔
- مرد اور عورت میں کامل مساوات ہے۔ہر وہ کام جو مرد کرتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے
- اس لئے عورت کا مردوں کے ساتھ ہر شعبہ زندگی میں شانہ بشانہ کام کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ملکی ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔
- مرد و عورت کی گواہی برابر ہے اور ہر معاملے میں اس کی گواہی مقبول ہے۔
- ملکہ سبا ایک مثالی عورت تھی اور اس کی طرح عورت حکومت کی سربراہ بن سکتی ہے۔
- حورعین، یہ اہلِ جنت کی بیویاں نہیں بلکہ ان کی ساتھی اور ہم نشیں ہوں گی اور بہن بھائیوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھی ہوں گی۔اور یہ جس طرح مردوں کے لئے ہوں گی، عورتوں کے لئے بھی ہوں گی۔
- مخلوط تعلیم جائز ہے۔
- حضرت سارہ، حضرت مریم، حضرت آسیہ کی بابت ان کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے۔
- مرد و عورت کا دائرہ کار الگ الگ نہیں ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک فاضل مصنفہ پروفیسر ثریا بتول علوی (بنت مولانا عبدالرّحمٰن کیلانی رحمہ اللہ) فرماتی ہیں:

''اس طرح یہ کتاب عربی لغت اور گرامر کے پردے میں عورت کے بارے میں پورا مغربی ایجنڈا مسلمانوں میں قرآن کے نام پر رائج کرنے میں کوشاں نظر آتی ہے۔اگر اپوائی

بیگمات یا این جی اوز، اسلام کے خاندانی اور تمدنی و معاشرتی مسائل کے بارے میں بات کریں تو سب کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ غلط مسائل مسلم معاشرے میں پھیلائے جا رہے ہیں۔ مگر گھمبیر مسئلہ اس وقت بنتا ہے جب نام نہاد علماء و فاضلین حضرات اپنے علم و فضل کے زعم میں، عربی لغت کے زور پر اپنی چرب زبانی کی بنیاد پر وہی کام کرتے نظر آتے ہیں جو اہلِ مغرب کو مطلوب ہے تو پھر تلبیسِ ابلیس ہمارے لئے بہت خطرناک بن جاتی ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ روشن خیال حضرات جو حسبنا کتاب اللہ کا دعویٰ رکھتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کا حق دینے کو تیار نہیں۔ ان کو اپنی عربی دانی پر اتنا بھروسہ ہے کہ اسی کی بنیاد پر فرنگیت کو اسلام میں داخل کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ مغربی فکر کو زبردست لفاظی کے ذریعے قرآن و حدیث میں سے کشید کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ تاویل اور اجتہاد کا کلہاڑا ہاتھ میں لے کر عربی گرامر، لغت اور عربی شاعری کی مدد سے عورت کا دائرہ کار وہی متعین کرتے نظر آتے ہیں جو یو این او کے ایجنڈے، سیڈا (CEDAW) کو مطلوب ہے۔ غرض مصنف نے پرویزی فکر کو آگے بڑھایا اور غامدی فکر کو خوب پروان چڑھایا ہے۔ لغات قرآن کے پردے میں شیطان کو کمک بہم پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ یہ مارِ آستین ہیں جو اپنے فسادِ فکر و نظر سے امّتِ مسلمہ کو نقصان پہنچانے کے لئے پوری طرح کوشاں ہیں''۔ [1]

اصلاحی صاحب کا رویّہ، منکرین حدیث ہی کی ہم نوائی:

گذشتہ چند مثالوں سے واضح ہے کہ جو لوگ مغربی تہذیب کو مشرف بہ اسلام کرنا چاہتے ہیں وہ احادیث کو نظر انداز کر کے قرآن کے نام پر اپنا یہ ایجنڈا پورا کر رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی تشکیل میں حدیث کا کردار بنیادی ہے۔ اس بنیاد کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر قرآن سے لغت کے ذریعے سے اور باطل تاویلات کے زور پر جو چاہے ثابت کرنا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا

[1] ماہانہ ''محدث'' لاہور، نومبر 2012ء، ص 112-105

آسان ہوجاتا ہے۔منکرینِ حدیث قرآن کی آڑ میں یہی کچھ کررہے ہیں۔

اصلاحی صاحب کا رویّہ بالکل مذکورہ گروہوں کی طرح تونہیں ہے لیکن ایک تو وہ خودبھی منکرینِ حدیث کی طرح حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔دوسرے، اپنے خودساختہ اورمزعومہ نظریات کے اثبات کے لئے احادیث کونظرانداز کرکے عربی لغت ہی کا سہارا لیتے ہیں۔اس طرح کم وبیش کے فرق کے ساتھ وہ منکرین حدیث ہی کے ہم نوا قرار پاتے ہیں۔

حدّرجم کی متفق علیہ اورمتواتر روایات کا انکار کرکے اپنے خودساختہ نظریہ رجم بطورتعزیر کے لئے انہوں نے بھی قرآن کے لفظ ''تقتیل'' سے بہ زعم خویش عربی گرامراورلغت ہی کا سہارالیاہے۔

ایک دوسری مثال: کسی عورت کو یکے بعد دیگرے تین طلاقیں مل جائیں ، یعنی وہ عورت مبتوتہ (طلاق بتّہ کی حامل) ہوجائے تو ایسی عورت کا نکاح اب اسی خاوند سے دوبارہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے خاوند سے باقاعدہ ہمیشہ آباد رہنے کی نیّت سے نکاح کرے، پھراتفاقیہ اس کو وہاں سے طلاق مل جائے یا زوج ثانی فوت ہوجائے تو اس کا دوبارہ نکاح پہلے خاوند سے کرنا جائز ہوگا۔ اس کے لئے قرآن کے الفاظ یہ ہیں: ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ﴾(البقرہ-230)
''یہاں تک کہ وہ زوج اوّل کےعلاوہ کسی اور سے نکاح کرے''۔

اس آیت میں نکاح کالفظ استعمال ہوا ہے۔عربی لغت میں نکاح کے دومعنی ہیں۔ پہلا عقدنکاح۔ دوسرا، وطی (ہم بستری) کرنا۔حدیث کی رو سے یہاں نکاح بمعنی وطی (ہم بستری کرنا) ہے۔حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کوطلاق بتّہ دے دی، ان کی بیوی نے ایک دوسرے شخص (عبدالرّحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ) سے شادی کرلی۔لیکن عورت ان سے مطمئن نہ ہوسکی اوران کے درمیان (بغیر ہم بستری کے) جدائی ہوگئی ، وہ عورت نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس آئی اور صورت حال سے آگاہ فرمایا، آپ نے اس کی گفتگو سے اندازہ فرمالیا کہ یہ عورت اپنے پہلے خاوند ہی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے۔لیکن آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ جب تک دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لیں ،عورت پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتی۔آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے الفاظ ہیں:"لا حتى يذوق عسيلتك و تذوق عسيلته"[1]

---

[1] صحیح بخاری ، الطلاق، حدیث: 5260

اس حدیث نے قرآن کریم کے لفظ تنکح کے معنی متعین کر دئے کہ یہاں نکاح کا لفظ صرف عقدِ نکاح کے لئے نہیں ، بلکہ وطی کے معنی میں ہے۔لیکن اصلاحی صاحب نے اس حدیث کو ردّ کر کے یہاں نکاح بمعنی عقد نکاح لیا ہے۔ [1]

تفسیر ''تدبرِ قرآن'' میں اور بھی بعض مثالیں ایسی ہیں جہاں واضح حدیث کو نظر انداز کر کے لغوی معنی یا اپنا خود ساختہ مفہوم مراد لیا ہے۔شاید اس کی کچھ مزید تفصیل آگے آئے ۔ ہمارا یہاں صرف اصلاحی صاحب کی منکرینِ حدیث کی ہم نوائی کو واضح کرنا مقصود ہے۔اور وہ الحمدُ لِلّٰہ واضح ہے۔

مسلّمہ اصطلاحات کے مفہوم میں تبدیلی، ان کا انکار ہے:

اس تفصیل سے واضح ہے کہ مسلّمہ اصطلاحات کے مفہوم میں تبدیلی، ان کا انکار ہے۔اس کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

> ''ختمِ نبوّت ایک اصطلاح ہے جو قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین سے مستفاد ہے۔اس کا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں ،آپ پر وحی و رسالت کا خاتمہ فرما دیا گیا۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور یہ اصطلاح قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ پر مبنی ہے اور اہلِ سنّت کے ہاں مسلّم ہے۔
>
> لیکن مرزائی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں آ سکتا اور مرزائے قادیانی پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہے اس لئے مرزائے قادیان بھی (نعوذُ باللہ) سچا نبی ہے۔

ذرا سوچئے کہ ان مذکورہ شرعی اصطلاحات کی نئی تعبیر کرنے والے کیا صلوٰۃ، زکوٰۃ اور ختمِ نبوت کے ماننے والے کہلائیں گے یا ان کے منکر؟ ظاہر بات ہے کہ کوئی باشعور مسلمان ایسے لوگوں کو ان مسلّمات اسلامیہ کا ماننے والا نہیں کہے گا، بلکہ یہی کہے گا کہ یہ نماز کے بھی منکر ہیں، زکوٰۃ کے بھی منکر ہیں اور ختم نبوت کے بھی منکر ہیں۔وعلیٰ ھذا القیاس دوسرے گمراہ فرقوں کی اپنی وضع کردہ اصطلاحات ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: تدبرِ قرآن، جلد اوّل، ص493-495

سنّت اور حدیث، اہلِ سنت کی مسلّمہ اصطلاح ہے:

اس طرح سنت یا حدیث بھی شرعی اصطلاح ہے ۔علاوہ ازیں یہ صحابہ اور تابعین (سلف) اور محدثین کے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مفہوم و مصداق بھی چودہ سو سال سے مسلّم چلا آ رہا ہے۔اس کو جو اس کے مسلّمہ مفہوم ومصداق کے مطابق مانے گا، وہ اس کو ماننے والا تسلیم کیا جائے گا اور جو یہ کہے گا کہ میرے نزدیک سنّت کا یہ مفہوم ہے اور حدیث کا یہ مفہوم ہے اور وہ مفہوم اس کا خود ساختہ اور مسلّمہ مفہوم کے یکسر خلاف ہے تو وہ حدیث وسنت کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا، چاہے وہ زبان سے حدیث وسنت کو ماننے کا ہزار مرتبہ بھی دعویٰ کرے۔ جیسے مرزائی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ختمِ نبوّت کے قائل ہیں، لیکن وہ منکر ہی کہلائیں گے کیونکہ وہ ختمِ نبوّت کا وہ مفہوم نہیں مانتے جو مسلّمہ ہے، بلکہ خود ساختہ مفہوم کی روشنی میں مانتے ہیں۔

اس وضاحت کی روشنی میں جہاں پرویزی حدیث کے منکر ہیں، وہاں اسی کے منہج پر چلنے والے فراہی، اصلاحی اور غامدی اور دیگران کے ہم نوا بھی منکرِ حدیث ہی قرار پاتے ہیں۔

هذا ما عندی والله أعلم بالصواب

اپنے بیماروں کا علاج کتاب وسنت سے کیسے کریں؟

مترجم: خالد حسین گورایہ [1]

جناب عبداللہ بن محمد السد حان مملکتِ سعودی عرب کی ایک مؤقر علمی شخصیت ہیں۔ نفسِ انسانی اور اس کے عوارض کے علوم پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص ملکہ دے رکھا ہے، انھوں نے ایک کتابچہ تحریر فرمایا جس کا عنوان ''کیف تعالج مریضک بالرقیة الشرعیة'' ''آپ اپنے مریض کا علاج دم کے ذریعے کیسے کریں؟'' اپنے موضوع میں ایک منفرد کتاب ہے۔ موضوع کی اہمیت وافادیت کو سامنے رکھتے ہوئے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی مجلس تحقیق وتصنیف کے تحت اسے اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ جسے کے بینادی مباحث بغرض افادہ عامہ البیان کی اس اشاعت میں شائع کئے جارہے ہیں۔ مجلس کی جانب سے مکمل کتاب کی بھی عنقریب زیورطبع سے آراستہ ہوکر قارئین کے ہاتھ میں ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

ادارہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علي سيد الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعين۔۔۔۔۔۔ أما بعد!

تمہید:

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو یہ فرماتا ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: ''اے لوگوں! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی

والوں کے لئے''۔[یونس : 57]

اور درود وسلام ہو پیارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو یہ فرماتے ہیں کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے ساتھ اس کی دوا بھی اتاری ہے جس نے جان لیا اس نے جان لیا اور جو جاہل رہا وہ جاہل ہی رہا''۔[1]

اما بعد:

آج کے اس آخری دور میں قرآن مجید سے علاج کرنے کی صورت عام ہو چکی ہے۔ یہ صورت بلا شک وشبہ ایک بہت اچھی چیز ہے، لیکن جو چیز پریشان کن اور قابلِ افسوس ہے وہ یہ کہ اس کام کو سرانجام دینے والے چند جاہل قاری حضرات ہیں جو علم شرعی سے بالکل کورے ہوتے ہیں، ان کا یہ منافع بخش کاروبار بن گیا ہے اور لوگوں کا مال باطل وناجائز طریقوں سے بٹورنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب بہت سے لوگ محض میڈیکل علاج پر تکیہ کر کے شرعی دواؤں اور دعاؤں کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس بنا پر اس موضوع پر ایک عاجزانہ تحریر لکھنے کیلئے میں نے قلم اٹھایا، جب میں نے محسوس کیا کہ لوگوں کے عقائد (بالخصوص ان قراء حضرات کے) درست کرنے کی اشد ضرورت ہے۔(ان میں اہل توحید بھی ہیں) کہ ان کا بدعات طلاسم اور صوفی خرافات سے ناطہ وتعلق توڑا جائے، اس کے ساتھ ان ڈاکٹرز حضرات کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے جنہوں نے بیماری میں ایمان کے کرادار کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور صحیح شرعی دم سے لا پرواہی اور پہلو تہی اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے ضروری تھا کہ چند ضروری قواعد وضوابط متعین کر دئے جائیں، اور قرآنی علاج کے لئے چند کلینک کھولے جائیں تا کہ کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں صحیح شرعی مفاہیم کی وضاحت کے ساتھ اس شعبہ کو شعبہ بازوں اور دجالوں سے محفوظ کیا جاسکے۔ یہ کلینک دیگر طبی ونفسیاتی ہسپتالوں

---

[1] مسند امام احمد، 4/872، ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں عبداللہ بن مسعود کی سند سے یہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

کے ساتھ اور سرکاری (سعودی حکومت کی) سرپرستی میں ہونے چاہئیں، اس کے ساتھ مناسب قراء اور صلاح وتقویٰ اور علم شرعی سے مالا مال لوگوں کو منتخب کرکے وہاں بٹھایا جائے اس کے ساتھ مسلسل ان کی نگرانی بھی کی جاتی رہنی چاہئے، اسی ذریعہ سے اصل دوا یعنی شرعی دم اور سببِ دوا یعنی مادی وطبی اشیاء میں جمع ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا علاج میں یہی منہج ہوا کرتا تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دوشفاؤں کو لازم پکڑو قرآن اور شہد''۔ (1)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' آپ ﷺ نے اس فرمان میں طبِ بشری اور طب الٰہی دونوں کو یکجا کردیا ہے''۔ (2)

چونکہ لوگوں کی غالب واکثر بیماریوں کی وجہ نظر بد ہوتی ہے اور اس حدیث (العین حق) (نظر برحق ہے) کا معنی یہ ہے اللہ کا ذکر کئے بغیر کسی کی توصیف وتعریف کرنا (زبان کا زہر ہے) نہ کہ اس سے مراد آنکھ بطور آلہ مراد ہے۔ اس کی نسبت آنکھ کی جانب اس لئے کی گئی ہے کہ کیونکہ حقیقت حال کا وصف وہی بیان کررہی ہوتی ہے، اس وقت موقع پر موجود شیاطین اسے لے کر موصوف کو تکلیف دینے کی ٹھان لیتے ہیں (اللہ کے حکم سے) کیونکہ نظر بد کا یہ مفہوم شرعی میرے علم کے مطابق شاید اس سے پہلے بیان نہیں ہوا، لہٰذا میں نے اس کتابچہ میں بے پناہ کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد عقیدہ کے متخصص علماء کرام کی رہنمائی سے (دم) کی شرعی اصول بندی کردی جائے جو کہ زیادہ ضروری تھا۔ (3)

میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں جو عظمت والا ہے اور بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے کہ وہ اس کتابچہ کو پڑھنے والے اسے لوگوں تک پہنچانے والے اور اس کے لکھنے والے کیلئے دعا کرنے والے کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ ﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ [هود: 88]

---

(1) سنن ابن ماجہ، 2/1142، نمبر (3452) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

(2) المنهج السوى للسيوطى، تحقيق حسن الاهدل ص 307

(3) اس مفہوم کو ہمارے فاضل شیخ جناب محمد ابن عثیمین رحمہ اللہ پر پڑھا گیا تو آپ نے ایک فتویٰ میں اس کی تائید کی۔ جو ایک کیسٹ ریکارڈ میں موجود ہے۔

ترجمہ: ''میں تو جہاں تک ہو سکے اصلاح ہی چاہتا ہوں''

وصلی اللہ علی نبینا محمدوآلہ وسلم

فصل اول

علاج کا طریقہ کار

کسی بھی نوعیت کی بیماری کے علاج سے قبل چند ضروری قواعد اور اقدامات کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے، جن میں سے چند ایک ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(1) **فراست سے کام لینا:** فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾ [الحجر: 75]

ترجمہ: ''بلاشبہ گہری نظر رکھنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں''۔

فراست ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحۃ: 5] کے منازل ومراتب میں سے ایک اہم مرتبہ ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''مدارج السالکین (2/284)'' میں رقمطراز ہیں کہ ''مجاہد کہتے ہیں ''متوسمین'' سے مراد فہم وفراست رکھنے والے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''دیکھنے والے مراد ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں ''عبرت ونصیحت حاصل کرنے والے'' جبکہ مقاتل کہتے ہیں ''غور وفکر کرنے والے مراد ہیں''۔

فراست سے مراد: ظاہری حالات وواقعات کی روشنی میں باطنی اخلاق وکردار کا اندازہ لگانا مراد ہے۔ (1)

یہاں اسی فراست کے حوالے سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کرنا ضروری ہے وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر نشان تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس کو دم کرو، اس کو نظر لگ گئی ہے''۔ (2)

(حدیث میں لفظِ ''سفعة'' وارد ہوا ہے) اس کی تعریف میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: ''ابراہیم حربی فرماتے ہیں: ''اس سے مراد چہرے کی سیاہی ہے''۔ اور اصمعی لکھتے ہیں ''سیاہی مائل زرد رنگ''، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ''اس سے مراد پیلا پن ہے''۔ اور ابن قتیبہ لکھتے

(1) الفراسة للرازی، ص 27

(2) بخاری، کتاب الطب، 171/10، مسلم (2197) کتاب السلام۔

ہیں: ''ایسے رنگ کا نمایاں ہونا جو چہرے کی رنگت سے منفرد ہو''۔

(سفعة) کی تفسیر میں یہ جو تمام معنی بیان کئے گئے ہیں سب تقریبا قریب قریب ہی ہیں۔ اگر چہرے کا رنگ زرد ہے تو سفعہ محض سیاہ ہوگا، اور اگر چہرے کا رنگ سفید ہے تو سفعہ پیلا پن ہوگا، اگر چہرے کا رنگ سیاہ ہوگا تو سفعہ ایسا زرد رنگ جو سیاہی مائل ہو، ہوگا''۔ [1]

لہذا (معالج کو چاہئے کہ) مریض اگر مرد ہے تو اس کے چہرے کا اچھی طرح جائزہ لے۔ اور اگر وہ خاتون ہے تو اجنبی مرد کے لئے اس کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں، الا کہ دم کرنے والا شخص اس عورت کا محرم ہو تو وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

2 بیماری کی تشخیص اور اس کی نوعیت کا سمجھنا:

لہٰذا پہلے لمحے میں ہی مریض کو مار پیٹ شروع کر دینا، اس کا گلا دبانا، ناک میں کوئی چیز ڈالنا، بجلی کا کرنٹ لگانا کارآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس طرح کے حربے بسا اوقات مریض یا معالج کیلئے خطرناک نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔ لہٰذا علاج میں مرحلہ وار ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جنات کا کسی انسان کے جسم میں داخل ہونا افعالِ منکرات میں سے ایک منکر ہے، جس کی تردید منکر فعل کے مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے کی جانی چاہئے۔

اس لئے سب سے پہلے مریض پر شرعی اوراد اور قرآن مجید کی آیات پڑھنا بذات خود شفایابی کا مرحلہ اور کامیاب طریقہ علاج بھی ہے بلکہ یہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعے سے اس (شریر) جن کی ہدایت کی جانب رہنمائی اور دعوت بھی ہے کہ وہ برائی سے تائب ہوکر ہدایت کو قبول کرے۔

جب ہم رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض مریضوں (جو جنات وشیاطین کے متاثرہ تھے) کے علاج کا جائزہ لیتے ہیں کہ آپ نے ان متاثرہ افراد کا علاج کیسے کیا تو اس کی حکمت اور تاثیر کا آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

---

[1] فتح الباری، 10/ 212

ان میں سے چند ایک لمحات ومواقع ملاحظہ فرمائیں۔

❶ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک روایت سیدنا ابن عباس سے نقل کی کہ ''ایک عورت اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی اور عرض کرنے لگی، اے اللہ کے رسول (ﷺ) ''میرے اس بیٹے کو پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں جو عموما ہمارے دوپہر اور رات کے کھانے وقت پڑتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہمارا کھانا خراب کردیتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور اس کیلئے دعا کی، جس سے اس نے زور سے کھانسا اور الٹی کی تو اس کے پیٹ سے کتے کے بچے کی مانند ایک سیاہ جانور نکل کر بھاگا''۔ (1)

❷ امام احمد رحمہ اللہ ام ابان بنت الوازع اور وہ اپنے والد سے نقل کرتی ہیں کہ ''ان کے دادا اپنے ایک پاگل بیٹے کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے قریب کرو، اور اس کی پیٹھ میری طرف کردو، آپ نے اس کے کپڑے اکٹھے کرکے اوپر اور نیچے دونوں جانب سے مضبوطی سے پکڑے، اور اس کی پیٹھ پر مارنے لگے، اور یہ فرماتے رہے ''اخسأ عدوا لله'' تو وہ لڑکا بالکل ٹھیک طرح سے دیکھنے بھالنے لگ گیا۔ ابن ماجہ کی روایت میں عثمان بن ابی العاص کی روایت میں ان الفاظ کا تذکرہ ہے کہ ''اخرج عدو الله'' اے اللہ کے دشمن نکل جاؤ۔ (2)

❸ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اسامہ بن زید کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے سفر پر نکلا یہاں تک کہ جب آپ بطن روحاء کے مقام پر پہنچے تو ایک عورت اپنے بیٹے کو لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور فرمانے لگی اے اللہ کے رسول (ﷺ) میرا یہ بیٹا جس دن سے پیدا ہوا ہے اس دن سے آج تک اس (کی تکلیف) میں افاقہ نہیں ہوا اور نہ ہوش آیا ہے، آپ نے اس کے سینے اور پیٹ کے درمیان کجاوہ رکھا پھر اس کے منہ میں تھتکارا۔ اور فرمایا ''اے اللہ کے دشمن نکل جاؤ میں اللہ کا رسول ہوں'' فرماتے ہیں: ''آپ نے پھر وہ بچہ اس خاتون کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا ''اسے لے

---

(1) مسند امام احمد 1 / 254

(2) ابن ماجہ، کتاب الطب، حدیث نمبر 3548

جاؤاب اسے کوئی مسئلہ نہیں ہے''۔ (1)

4 امام ابویعلیٰ حسن الصنعانی کے طریق سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی آسیب زدہ شخص کے کان میں کچھ پڑھا تو وہ ٹھیک ہوگیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود سے دریافت کیا کہ'' آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا ہے؟''

ابن مسعود فرمانے لگے میں نے یہ آیات پڑھی ہیں:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٧﴾ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١١٨﴾﴾ [المؤمنون: 115 - 118]

ترجمہ: ''کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی کریم عرش کا مالک ہے اور جو کوئی اس سب کے باوجود اللہ کے ساتھ کسی بھی اور ایسے خود ساختہ اور فرضی معبود کو پکارے گا جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو سوائے اسکے نہیں کہ اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہی ہوگا، یہ قطعی اور یقینی امر ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پاسکیں گے اور اے پیغمبر آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب، بخشش فرما، اور رحم فرما کہ تو ہی ہے سب سے بڑا رحم کرنے والا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے، اگر کوئی صاحبِ توفیق شخص یہ آیات کسی پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے''۔

امام ہیثمی فرماتے ہیں ''اس روایت میں ابن لھیعۃ ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس کی حدیث حسن درجے کی ہے۔ جبکہ سند کے دیگر راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' (2)

لہٰذا ان روایات کی رو سے طریقہ علاج میں جو فرق دیکھا گیا ہے وہ مرض کے اسباب، علامات،

(1) سنن بیہقی، 6/24

(2) مجمع الزوائد 5/115

اور ان کے مختلف طریقہ ہائے علاج کی وجہ سے ہے ۔ یہیں سے ہمارے سامنے بعض معالجین کی ناکامی کی اصل وجہ کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ ہر قسم کے امراض وعلامات سے صرف ایک ہی طریقہ (جو مار دھاڑ کا ہوتا ہے) سے نبٹنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

③ قرآن ہر چیز کا علاج ہے:

دوا اور علاج میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سے ہونا چاہیے ۔ پھر دوسرے نمبر پر مروج داؤں کے ساتھ ۔ (یہ محض روحانی امراض میں نہیں) بلکہ جسمانی امراض میں بھی اسی چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ، نہ کہ جیسا بعض جاہل معالجین یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی فرد کی بیماری کا تعلق جسمانی عضو سے ہے تو وہ ہسپتالوں سے رجوع کرے ، اور جس کو نفسیاتی مرض لاحق ہے وہ نفسیاتی کلینک اور ماہرین نفسیات سے رجوع کرے ۔ اور اگر کوئی روحانی بیماری میں مبتلا ہے تو اس کا علاج دم ، ادعیہ اور قرآن سے کیا جاتا ہے ۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ یہ لوگ اس طرح کی تقسیم کس بنیاد پر کرتے ہیں؟ جبکہ قرآن دلوں کا علاج اور اس کی دوا ہے ، اور جسموں کی سلامتی اور اس کی شفا ہے ۔ فرمان باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ ﴾ [الإسراء : 82]

ترجمہ : '' یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کیلئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے '' ۔

یہاں لفظِ '' شفاء '' پر غور کریں ، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قرآن '' دوا '' ہے ۔ بلکہ یہ کہا کہ یہ '' شفاء '' ہے ۔ کیونکہ شفا دوا کا ظاہری اور حتمی نتیجہ ہے ۔ جبکہ دوا میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ شفایاب کرے یا نہ کرے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب '' زاد المعاد '' میں لکھتے ہیں : '' قرآن مجید ہر قسم کی دلی اور جسمانی ، دنیاوی واخروی بیماریوں کا مکمل علاج ہے ۔ لیکن ہر کسی کو قرآن سے شفاء حاصل کرنے کی اہلیت اور توفیق نصیب نہیں ہوتی ۔ اگر بیمار شخص اس قرآن سے دوا کا حصول اچھے طریقے سے کرے اور اپنی بیماری پر مرہم مکمل سچائی ، ایمان ، مکمل قبولیت اور اعتقاد کامل وجازم اور شرائط کی تکمیل کے ساتھ رکھے تو اس کا مقابلہ کبھی بھی کوئی بیماری نہیں کرسکتی ۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ بیماریاں رب سماء

وارض کے کلام کا مقابلہ کرسکیں؟! ایسا کلام کہ اگر وہ پہاڑوں پر نازل ہوتا تو انہیں ریزہ ریزہ کردیتا، اوراگر زمین پر نازل ہوتا تو اسے چیر دیتا۔لہٰذا دلوں اور جسموں کی کوئی بھی بیماری ہومگر قرآن میں اس کا علاج اوراس کے سبب پر دلالت ورہنمائی موجود ہے۔تو جسے قرآن شفاء نہ دے سکے اللہ اسے کبھی شفاء نہ دے،اور جسے قرآن کافی نہ ہو اسے اللہ بھی کافی نہ ہو۔‘‘(1)

لہٰذا قرآن مجید سے علاج کرتے وقت یقینِ کامل، اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا بہت ضروری ہے۔کیونکہ بیمار کے دوا سے فائدہ اٹھانے کی بنیادی شرط ہی یہ ہے کہ وہ اسے قبول کرے اوراس سے فائدہ حاصل ہونے کا اعتقاد رکھے‘‘۔(2)

اللہ تعالیٰ کے کلام کوتجرباتی طور پر استعمال نہیں کیا جاتا ایسا کرنا اعتقاد میں خلل کی دلیل ہے۔اگر کسی نے زمزم کے پانی کو بطور تجربہ استعمال کیا تو اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ کامل یقین کے ساتھ اس سے اللہ کے حکم سے فائدہ حاصل ہونے کے عقیدہ کے ساتھ پیا جائے تو فائدہ حاصل ہوگا۔

الغرض قرآن مجید کے ذریعہ جسمانی امراض کے علاج کی بات کی جائے تو بات بہت طول پکڑ جائے گی مگر بغرض تفہیم میں یہاں چندایک مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

بہت سی (جسمانی اورنفسیاتی) بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں بڑھانے میں شیطان کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خون کی گردش میں تصرف کا اختیار دیا ہوا ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے کہ’’شیطان بنی آدم میں خون کی طرح دوڑتا ہے‘‘۔(3)

انہی علامات میں سے ایک غصہ بھی ہے۔

غصہ: غصہ بہت سی بیماریوں کے جنم لینے کا باعث بنتا ہے۔اس لئے جب ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اورعرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے وصیت ونصیحت

---

(1) زادالمعاد 4/352

(2) زادالمعاد،4/98

(3) متفق علیہ

فرمایئے ،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''لا تغضب '' غصہ مت کرو۔اس نے بار بار نصیحت کرنے کا کہا تو آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ ''غصہ نہ کرو''۔[1]

غصہ کی تاثیر جسم پر واضح طور پر دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے ،معدہ کا زخم (السر) تیزابیت ،اور اعصابی قولون اسی شدید غصہ کا ہی نتیجہ ہیں۔اسی طرح بعض لوگوں میں شوگر کی وجہ وہ بے چینی ہے جس کی وجہ غصہ ہوتا ہے،اسی طرح بہت سے پوشیدہ امراض وغیرہ کا باعث یہی غصہ بنتا ہے۔

خصوصا سر اور دماغ کی بیماریاں جن میں درد،شریانوں کا پھٹنا، دماغی سکتہ، اچانک فالج کا اٹیک، نیز دل کی بیماریاں، angina pectoris وغیرہ ان سب کا بنیادی سبب غصہ ہی ہوتا ہے۔اور غصہ ان بیماریوں کی پیدائش اور افزائش وبڑھوتری میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ بلکہ غصہ ہی ہر برائی کی جڑ ہے۔غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝۴۱﴾[ص: 41]

ترجمہ:''اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے''۔

حتی کہ بعض اہل علم کا یہاں تک کہنا ہے کہ ایوب علیہ السلام کو تمام جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں لاحق ہوئیں تھیں۔اور باری جل وعلا کے اس فرمان کہ ''بِنُصْبٍ وَّعَذَاب'' سے مراد ہے کہ ''شیطان نے مجھے تھکاوٹ، درد اور نفسیاتی عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ یہاں ان بیماریوں کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ ان کا سبب وہی (شیطان لعین) تھا، اور باری جل وعلا کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تکلیف و بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی''۔[2]

الحمد للہ بہت سی بیماریوں میں مبتلا افراد پر قرآن کریم پڑھا گیا بالخصوص مہلک بیماریوں جن کا ہوسکتا ہے سبب شیطان ہو۔جیسا کہ کینسر،شریانوں کا پھٹنا، دائمی دمہ، فالج، بانجھ پن، شوگر، اور دل وغیرہ کی بیماریوں میں مبتلا افراد پر یہ قرآن پڑھا گیا تو انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم واحسان سے شفا

---

[1] بخاری ، 519/10

[2] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم،حسن علی کریمۃ ،ص132

ءنصیب ہوئی ۔ایسے ہی خواتین میں ایک بیماری جو عام ہے کہ ماہواری کے ایام کا بے ترتیب ہوجانا چاہے وہ دیر سے آنے کی بیماری ہو یا اس کا دورانیہ بغیر کسی ظاہری سبب کے طویل ہوجاتا ہواس کا سبب بھی بسا اوقات جنات (وشیاطین) بنتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ اس کے متعلق پوچھا گیا، پہلی مرتبہ آپ نے یہ فرمایا کہ

''ذاک عرق''[1]

''یہ تو ایک رگ کا خون ہے''۔

اور دوسری مرتبہ جب آپ سے حمنہ بنت جحش نے سوال کیا کہ: ''مجھے بہت زیادہ حیض آتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انما هي رکضة من رکضات الشیطان''۔[2]

''یہ تو شیطان کچھ چبھوتا ہے''

(اس میں شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ) وہ کوشش کرتا ہے کہ حیض کا دورانیہ بڑھا دے یا تو وہ کچھ خون روک لیتا ہے پھر مدت گذرنے کے بعد اسے چھوڑ دیتا ہے، تا کہ عورت نماز نہ پڑھ سکے اور قرآن کی تلاوت نہ کرسکے، یا پھر وہ مقررہ جگہ کو زخمی کر دیتا ہے تا کہ عورت وہم میں مبتلا ہوجائے، جس سے وہ حیض اور زخم کے خون میں فرق نہیں کر پاتی جس کی بنا پر وہ نماز سے رکی رہتی ہے۔

اسی طرح فالج کی بیماری ہے۔جن بسا اوقات بعض مریضوں کے فالج سے متاثرہ اعضاء پر اپنا کنٹرول حاصل کرلیتا ہے اور ان پر قابو پانے کے بعد ان کی حرکت روک دیتا ہے، جس سے اس کے ساتھ درج ذیل چند علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

نفسیاتی دباؤ اور تناؤ کے ساتھ تنگی اور مستقل درد، جب ایسے مریض پر قرآن پڑھا جائے تو وہ فالج سے متاثرہ جگہ پر کچھ سکون محسوس کرتا ہے۔اور اگر مریض سکون محسوس نہ کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جن اعصاب کو تباہ کر کے جسم کو مفلوج کیفیت دے کر اس سے نکل چکا ہے لہٰذا مریض کا جسم اسی حالت میں رہتا ہے۔اور ایک لمبے عرصے تک جسم اسی حالت میں رہنے کی وجہ سے مفلوج ہو چکا

---

[1] ابوداؤد، 286

[2] رواہ الترمذی ، صحیح سنن الترمذی للالبانی 1/ 40

ہوتا ہے۔اس طرح کی صورت حال انتہائی مہلک صورت حال ہوتی ہے جس کے لئے صبر اور اللہ تعالیٰ سے شفا کی نیت سے مستقل دم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مثلاً: معدہ، اعصاب اور ہڈی جوڑوں وغیرہ کا علاج یہ ہے کہ دم کرنے والا اپنا ہاتھ درد کے مقام پر رکھ کر (تین دفعہ بسم اللہ کہہ کر) یہ دعا سات مرتبہ پڑھے

" أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ "

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے درد جاتا رہے گا۔ان شاء اللہ۔

جہاں تک نفسیاتی امراض کا تعلق ہے جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں [1]

پاگل پن: یہ ایک انتہائی خطرناک ذہنی مرض ہے جس کا علاج ڈاکٹر حضرات گولیوں اور انجکشنوں سے کرتے ہیں۔اور ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ مریض اس مہلک بیماری سے پوری طرح شفا یاب ہوسکے جبکہ بہت سے ایسے مریض ہیں جو اس بیماری میں مبتلا تھے اور ان کا علاج شرعی طریقہ (یعنی دم) سے کا گیا تو انہیں صحت وعافیت کی زندگی نصیب ہوگئی۔

وسوسے: یہ ایسی بیماری ہے جس کا سبب بسا اوقات جنات بنتے ہیں (اس سے ان کا مقصد بندہ کو اپنے رب وخالق سے تعلق کو ختم کرنا اور توڑنا ہوتا ہے) یہ وسوسے وضو سے شروع ہوتے ہیں اور عقیدہ میں تشکیک پر ختم ہوتے ہیں۔

اس کا علاج درجِ ذیل طریقے سے کیا جاتا ہے۔

اول: فکری وذہنی وسوسے اور ان کا علاج: اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا جائے، اور ان وسوسوں کو اہمیت نہ دی جائے، ان سے صرف نظر کیا جائے، اور خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کی جائے۔ وسوسوں کے برعکس کام کیا جائے۔شیطان سے پناہ مانگی جائے۔(أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

---

[1] نفسیاتی اور مسِ شیطانی کی بیماری میں فرق یہ ہے کہ: نفسیاتی امراض جذباتی تاثرات کا نام ہے، اگر یہ بڑھ جائیں تو مس شیطانی کے مقدمات بن جاتے ہیں، کیونکہ شیطانمشتعل اعصاب پر حملہ آور ہوتا ہے، اس لئے شریعت میں انسان کو تنہا سونے، اکیلئے سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایک سوار ایک شیطان ہے، دوسوار دو شیطان ہیں اور تین سوار، سوار ہیں "

الرَّجِیۡمِ کہے) اور اپنے بائیں جانب تھتکارے۔ مریض اپنے نفس اور فکر کو ذکر اور عمل نافع میں مشغول رکھے۔ نیز دوستوں بھائیوں سے خوش طبعی سے ملے اور صلہ رحمی کرے۔

دوم: حسی وسوسے: وسوسوں کی اس قسم کو علماء نفس کے ہاں وسواس قہری (یعنی غیر ارادی اور خطرناک وسوسے) کا نام دیا جاتا ہے۔ وسوسوں کی یہ صورت فکری وذہنی وسوسوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس صورت میں مریض اپنے جسم کے مختلف حصوں میں تکلیف اور درد محسوس کرتا ہے۔

اس قسم کے وسوسوں کا علاج ایک تو اسی طریقہ سے کیا جائے جیسا کہ پہلی قسم میں بیان ہوا ہے۔ اس پر مستزاد ان کا علاج حسی طریقے سے بھی کیا جائے۔ اس میں مریض کو چاہئے کہ وہ حرکت کرے، اور خود سے سستی کاہلی کو اتار پھینکے۔ اس کاہلی کے ازالے کے لئے اسے چاہئے کہ وہ عزیز واقارب سے ملاقات کرے ان کی زیارت کرے ان سے میل جول رکھے، دوستوں سے ملے، صلہ رحمی کرے، ٹھنڈے پانی سے غسل کرے تاکہ خون کی گردش فعال ہو۔ اس کے ساتھ، ورزش کا اہتمام کرے، سفر کرے، اور نیک شگون اور اچھی توقعات قائم کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی رہے، ایسا شخص مجاہد فی سبیل اللہ کے قائم مقام ہے۔ باری جل وعلا نے ایوب علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

﴿وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَآ اَيُّوۡبَۘ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍؕ﴾ [ص: 41]

ترجمہ: ''اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے''۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بیماری کیلئے ایوب علیہ السلام سے یہ نہیں کہا کہ اسے ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ یہ حسی وسوسے تھے ان کیلئے ضروری تھا کہ کوئی حسی فعل انجام دیا جائے تاکہ ان کا ازالہ ہو تو باری جل وعلا نے انہیں یہ فرمایا کہ:

﴿اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ‌ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ [ص: 42]

ترجمہ: اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔

اہل اصول کے ہاں قاعدہ ہے کہ ''اعتبار لفظ کے عموم کا ہے سبب کے خاص ہونے کا نہیں''۔ (اس

لئے یہ حکم صرف ایوب علیہ السلام کیلئے نہیں بلکہ ان سب کیلئے ہے جو حسی وسوسوں میں مبتلا ہوں)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے شاگرد ابوبکر المروذی فرماتے ہیں کہ ”میں ابی عبداللہ کے ساتھ مسجد کیلئے نکلا جب وہ مسجد میں داخل ہوئے اور نماز شروع کی جب رکوع کرنے لگے تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے کپڑے سے ہاتھ نکالا اور دو انگلیوں سے اشارہ کرنے اور انہیں ہلانے لگے۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دریافت کیا اور کہا کہ اے ابا عبداللہ میں نے دیکھا کہ آپ نماز میں اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے تھے؟ آپ فرمانے لگے کہ ”میرے پاس شیطان آیا اور اس نے یہ کہا کہ آپ نے اپنے پاؤں نہیں دھوئے، میں نے انگلیوں سے اشارہ کر کے اسے بتایا کہ میں نے دو گواہوں کی موجودگی میں پاؤں دھوئے ہیں“۔ (1)

ہاں اگر انسان ضرورت محسوس کرے تو نفسیاتی دواؤں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ان سے وقتی افاقہ حاصل ہوتا ہے لیکن وہ مکمل علاج نہیں، محض ایک مادی سبب ہونے کے باعث انسان اسے استعمال کر سکتا ہے جس کی شریعت میں اجازت بھی موجود ہے اور ان داواؤں کو اصل دوا یعنی شرعی دم کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے۔ (جس سے جلد افاقہ کا امکان ہے)۔

ڈپریشن افسردگی اور غمگینی کا علاج: اس مرض کا علاج زیادہ وقت مسجد میں گذارنا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے“۔ (2)

اور آپ ﷺ کوئی اچانک کوئی مشکل مسئلہ درپیش آجاتا تو آپ نماز کی طرف دوڑ پڑتے، جنات کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو تنہائی میں لائیں تاکہ وہ اس پر اپنی دسترس حاصل کرسکیں اس لئے آپ ﷺ نے سونے، جاگنے اور سفر میں تنہائی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر شیاطین انسان کو تنہا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں تو شعوری طور پر اسے تنہا کر دیتے ہیں، جس کی بنا پر انسان لوگوں میں ہوتے ہوئے بھی خود کو تنہا محسوس کرتا ہے اس کا ذہن منتشر ہوجاتا ہے، اور فکر پراگندہ خیالات میں محو اور منتشر ہوجاتی ہے۔

---

(1) مناقب امام احمد، لابن الجوزی۔ تحقیق ڈاکٹر عبداللہ ترکی ص245

(2) مسند امام احمد، 5 / 464

الغرض جسمانی اور نفسیاتی امراض سے متعلق بات بہت طویل ہے۔ اس کیلئے علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہاں یہی کافی ہے کہ ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک مثال آپ کے سامنے رکھیں کہ وہ جسمانی امراض کا علاج قرآن مجید سے کیسے کیا کرتے تھے؟

ایک شخص جس کا خون رسے جا رہا تھا اور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا آپ نے اس پر یہ لکھا کہ

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [هود: 44]

ترجمہ: ''فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔''

تو اللہ کے حکم سے اس شخص کو شفا نصیب ہوگئی''۔ [1]

یہاں آپ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت محض طوفان کے ساتھ خاص نہیں، شیخ نے یہاں انسان کو زمین سے تشبیہ دی اور یہ اپنی حد تک قرآنی علاج کا ایک طے شدہ منہج اور طریقہ کار ہے۔ اس لئے آپ ''ارض'' یعنی زمین کے لفظ کو لیں اس پر انسان کو قیاس کرتے چلے جائیں اس طرح اعصابی اور لقوہ و گنٹھیا کے مریضوں پر آپ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو پڑھیے

﴿وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (3) وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (4) وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ [الانشقاق: 3 - 5]

ترجمہ: ''اور جب زمین میں پھیلا دی جائے گی۔ اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے گی اور خالی ہو جائے گیاور اپنے رب پر کان لگائے گی اور اسی لائق وہ ہے''۔

سینے کے امراض کے لئے

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (1) وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ (2) الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ﴾ [الشرح: 1 - 3]

ترجمہ: ''کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی''۔

---

[1] زاد المعاد 4/358

اور باطنی امراض کے لئے یہ آیت پڑھیں

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ [الزلزلة: 1]

ترجمہ: جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔

اور اسی طرح کرتے چلے جائیں۔ (1)

خلاصہ باب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا: ''جب ان کے پاس ایک عورت ان کا علاج کر رہی تھی تو آپ نے فرمایا ''اس کا علاج کتاب اللہ سے کرو''۔ (2)

اہم تنبیہ: گذشتہ سطور سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انسان دوائی اسباب یعنی بیماری کی تشخیص اور ان کے عمومی علاج کیلئے ہسپتال وغیرہ جانے کو بالکل نظر انداز کر دے۔ لیکن ہر بیماری کے علاج میں بنیاد قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ دعاؤں کو بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوا بھی استعمال کریں کیونکہ شریعت نے اس کا بھی حکم دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ یقین کامل ہو کہ شفاء صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے شفا نازل فرمادی تو اس کے حکم سے دوا اثر کرے گی اور فائدہ دے گی نہ کہ اس کے برعکس۔ کیونکہ باری جل وعلا کا فرمان مبارک ہے

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ [الشعراء: 80]

ترجمہ: ''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے''۔

الغرض دوا شفاء کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض احادیث میں اس کی طرف اشارہ بھی دیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک روایت میں فرمایا: ''ہر بیماری کی دوا ہے، لہٰذا جب وہ بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بیمار اللہ کے حکم یعنی اس کی مشیت و ارادہ سے صحت یاب ہو جاتا ہے''۔ (3)

---

(1) نوٹ: یہ چند مثالیں ہیں، لہذا یہ آیات ان بیماریوں اور ان کے علاوہ دیگر بیماریوں پر بھی پڑھی جاسکتی ہیں، اسی طرح مذکورہ بالا بیماریوں پر یہ آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ (یہ بطور مثال ہیں اس کی شرعاً کوئی تحدید و تعیین نہیں)

(2) السلسله الصحيحه للألبانی، 1931

(3) صحیح مسلم، 191/14

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی میں بھلائی ہو تو پچھنے لگوانے یا شہد پینے میں ہے“۔ (1)

تو آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ: ”اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی میں بھلائی ہو“۔اس سے واضح ہوا کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں بھلائی نہ رکھے کیونکہ یہ ایک سبب ہے (جو کبھی اثر کرتا ہے کبھی نہیں) جبکہ شرعی دم اصل اور بنیاد ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرما: ”آپ لوگ اس کلونجی کو پابندی سے استعمال کرو اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے“۔ (2)

اور جس شخص کا پیٹ خراب ہوگیا تھا آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا ”اسے شہد پلاؤ“۔ (3)

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”میں نبی ﷺ کے پاس تشریف فرما تھا کہ چند اعرابی حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم دوائی استعمال کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں اے اللہ کے بندو دوائی استعمال کرو، اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل کی ہے اس کی شفا بھی نازل کی ہے، سوائے ایک بیماری کے، اور وہ بڑھاپا ہے“۔ (4)

تو یہاں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”تداووا“ کہ دوا استعمال کرو، لیکن یہ دوا بذات خود شفاء نہیں دیتی بلکہ یہ ایک سبب کی حیثیت رکھتی ہے (شفا باری جلا وعلا کی طرف سے نصیب ہوتی ہے)۔

(4) تصوراتی قراءت:

(یہاں یہ چیز ملحوظ رہے کہ) دم میں محض قراءت کرنا یا آیات کا ورد کرنا کفایت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ان آیات اور دعاؤں کے مفاہیم اور معانی پر بھی غور کیا جائے، اور ان

(1) صحیح بخاری، 159/7
(2) صحیح بخاری، 160/7
(3) صحیح بخاری، 159/7
(4) صحیح سنن ترمذی، از علامہ البانی رحمہ اللہ 202/2

سے متاثر ہوا جائے۔ اگر آپ اس قراءت کا جنات ودیگر جسمانی امراض پر قوت وطاقت کا مظاہرہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان آیات کے عظیم معانی پر غور وخوض کریں۔ یہ جنات پر اثر کرتی ہیں اور دیگر جسمانی امراض سے شفایاب کرتی ہیں۔اس میں آپ شیخ الاسلام کے طریقہ علاج کو ملاحظہ کریں کہ انہوں نے کیسے خون کے رساؤ کا علاج کیا، زمین کو انسان سے تشبیہ دی، اس رساؤ کو اس زمین نے نگل لیا، جس جگہ سے خون تھم گیا، اور رساؤ سوکھ گیا اور کام پورا کر دیا گیا، اور مرض یقینا ختم ہو گیا۔!

اگر آپ اپنی نماز قراءت اور دم میں خشوع وخشیت اختیار کرنا چاہتے ہیں تو اسے ایسے پڑھو جیسا صحابہ پڑھا کرتے تھے: ان میں سے ایک جنت کا تصور ایسے کرتا تھا گویا کہ وہ اسکے اپنے دائیں طرف ہو اور وہ اس کی نعمتیں محسوس کر رہا ہو، اور جھنم کا تصور ایسا کہ جیسے وہ اس کے بائیں جانب ہو اور وہ کے عذاب ومصائب کو گویا محسوس کر رہا ہے، تو وہ اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔رحمٰن کے عرش کو اپنے سامنے تصور کرتا اس پر غشی طاری ہو جاتی۔خشوع کی وجہ سے ان کے سینے سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسا کہ کسی ہانڈی میں اُبال آ رہا ہو۔ان کا اس فانی دنیا سے احساس ختم ہو جاتا، اگر ان پر مسجد کی چھت بھی گر جاتی تو انہیں محسوس نہ ہوتا۔ہمیں بھی ایسا ہی تصور اور یقین چاہیئے، تو دیکھئے گا اللہ کی قسم ہماری سب بیماریاں ختم ہو جائیں گی، ہر مرض سے ہمیں شفا مل جائے گی، یہ قرآں تو ایسا قرآن ہے اگر پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیتا تو کیا یہ قرآن خون اور گوشت پوست سے بنے اس جسم کو ٹھیک نہیں کر سکتا!!

5 شفا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان تمام اسباب استعمال کر لیتا ہے جن میں قرآن مجید کی قراءت اور دواؤں وغیرہ کا استعمال، اور مریض میں قرآنی یا دوائی علاج کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔لیکن اس سب کے باوجود اسے شفا نہیں ملتی! یہ ضروی نہیں کہ ہر حال میں شفا ملے، کیونکہ ان تمام اسباب کا مسبّب اللہ تعالیٰ ہے۔اس چیز کا مشاہدہ آپ زندگی کے دیگر شعبہ جات میں بھی کر سکتے ہیں۔مثلا کسی علاقے میں زلزلہ آ گیا، اور اللہ کے حکم سے عمارت بھی زمین بوس ہوگئی، جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کی موت واقع ہوگئی جبکہ اس عمارت کے ملبے نیچے آنے والے کچھ لوگ بچ بھی جاتے ہیں،

جبکہ وہ بھی ان تمام مراحل سے گذرے ہوتے ہیں جن سے وفات پائے ہوئے لوگ گذرے ہوتے ہیں۔اسی طرح کسی معین فرد میں جادو کے اسباب بھی مکمل ہوجاتے ہیں لیکن جادو اثر نہیں کرتا، کیونکہ باری جل وعلا فرماتے ہیں:

﴿وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [البقرة: 102]

ترجمہ:''دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے''

کبھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت خاصہ کے تحت علاج کے اسباب متوفر ہونے کے باوجود بیماری کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جس کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بندہ کے گناہوں کو مٹا دے، اور اس میں ابتلاء وآزمائش بھی ہوسکتی ہے کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے نبی ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ جب انہیں آگ میں ڈالا گیا، انہیں آگ کی تپش نے چھوا، اس لمحے اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ [الأنبياء: 69]

ترجمہ:''ہم نے فرمادیا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا''۔

یعنی ہم نے آگ کو حکم دیا، جبکہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے اور اس کی تپش محسوس کررہے تھے۔

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے اگر شفاء نہ لکھی ہو تو کسی بیماری میں مبتلا شخص پر قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذریعے بیمار کے سینے میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر عافیت کی ٹھنڈک اور صبر کا یقین کامل ہوجاتا ہے کہ اس کے حکم سے شفاء مل کررہے گی، جس سے بیمار کے دل میں ایک سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ اس تکلیف کے باوجود آرام محسوس کرتا ہے۔

6 لوگوں کی بہت سی بیماریوں کا سبب نظر بد ہوتی ہے جبکہ اس کے علاوہ استثنائی کیفیات ہوتی ہیں:

اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کی قضاء

وقدر کے بعد میری امت میں سب سے زیادہ اموات نظر بد سے ہوتی ہیں''۔[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ: ''نظر بندے کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں ڈال دیتی ہے''۔[2]

ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں کہ لوگ بہت سی اموات کے باعث ہلاک ہوجاتے ہیں جن میں متعدی امراض، معدہ کے امراض، کینسر، اور حادثات وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں اکثر امراض وعلل کا سبب قضاء وقدر کے بعد نظر بد ہوتی ہے۔

اور فراست کے ضمن میں ہم گذشتہ بحث میں بیان کر آئے ہیں کہ ایک ''**سفعة**'' بھی ہے: جس سے مراد چہرے کا پیلا پن، اور پھیکا پڑنا ہے۔ اس سے معلوم پڑتا ہے کہ بیشتر مریض جو نظر بد میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہی نفس اور حسد ہے۔ اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں آپ اسے جو بھی نام چاہے دے لیں۔ (اس کی وجہ نظر بد ہی ہوتی ہے) اس کا علاج اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت آسان ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کر سکیں گے باذن اللہ۔

یہاں بہت سے معالجین یہ غلطی کرتے ہیں (اللہ انہیں ہدایت دے) کہ مریض کو پریشان، بے چین اور اس کے ذہن میں یہ سوچ ڈال دیتے ہیں کہ وہ کالے یا لال جادو میں مبتلا ہے۔ یا اس پر سفلی یا علوی جن مسلط ہیں!۔ اس کی وجہ سے مریض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ بیمار کیلئے طرح طرح کی ایذا رسانی کا باعث بنتے ہیں۔ جس میں مارنا، گلا دبانا اور وسوسوں کے ذریعے اس پر جن مسلط کر دیتے ہیں، یہ اور اس طرح کے تمام اعمال نہ دین ہیں اور نہ دین کا حصہ، ان روحانی معالجین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ اور اپنے بھائی کے خلاف شیطان کا معاون نہیں بننا چاہئے۔

---

[1] اس روایت کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری 10 / 214، میں حسن قرار دیا ہے، جبکہ امام سخاوی نے مقاصد حسنہ صفحہ 470 میں، اور علامہ البانی نے سلسلہ صحیحہ صفحہ 747 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

[2] اس روایت کو ابونعیم نے الحلیۃ، 7 / 90، علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد 9 / 244، میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (4023) میں بیان کیا ہے۔

اور جہاں تک جادو کا تعلق ہے تو وہ ایک حقیقت ہے اور موجود بھی، لیکن یہ اتنا منتشر نہیں جیسا کہ نظر بد ہے۔ (سعودیہ میں) اس کی غالب صورتیں بیرونی لیبر کے ساتھ آئی ہیں۔

یہ بات نوٹ میں رہے کہ جادو کی اشاعت وترویج وانتشار کی جگہیں وہ ہیں جہاں یہودی مقیم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لبید بن اعصم یہودی نے ہمارے نبی ﷺ پر جادو کیا تھا۔ اسی طرح سمندروں دریاؤں کے مقامات بھی جادو کی افزائش کے مقامات ہیں جہاں ابلیس اپنا تخت لگاتا ہے اور پھر لوگوں میں فساد بپا کرنے کیلئے اپنے لاؤ لشکر کو بھیجتا ہے۔ (1)

ہاں (جنات کی جانب سے) عشق کے معاملات بہت شاذ ونادر ہوتے ہیں، اسی طرح تکلیف کے بدلے بھی وہ تکلیف دیتے ہیں، کبھی کبھار بدلہ میں تکلیف دے جاتے ہیں، اس کا علاج بھی شرعی دم سے ہے۔ لیکن اس کیلئے ایک عرصہ انتظار اور صبر سے کام لینا پڑتا ہے جس کے بعد ان جنات کا اثر بھی اللہ کے حکم سے زائل ہوجاتا ہے۔

یہ چند اہم اور بینادی خطوات وقواعد تھے جن کا شرعی رقیہ ودم سے علاج کرتے وقت لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور معالج کو ان ضوابط کا پابند ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم (2)

فصل دوم

نظر بد حق ہے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نظر بد حق ہے اس کے ساتھ شیطان اور ابن آدم کا حسد شامل ہوجاتے ہیں''۔ (3)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان کے ارد گرد شیاطین جن موجود ہیں جو طاق میں رہتے

---

(1) صحیح مسلم 2/153.

(2) مزید تفصیل کیلئے مصنف کی کتاب ''قواعد الرقیۃ الشرعیۃ'' کا مطالعہ کریں جو مذکورہ موضوع میں کافی وشافی کتاب ہے۔

(3) بخاری، 10/203، مسند احمد، 21439

ہیں کہ اسے کسی طرح کوئی نقصان پہنچائیں، ہر انسان حسد کا شکار ہوسکتا ہے، اور نظر بد سے صرف وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب السلوک میں لکھتے ہیں: ”حسد نفس کی بیماریوں میں سے ایک (مہلک) بیماری ہے، یہ بیماری بہت عام ہے چیدہ چیدہ لوگ ہی اس سے بچ پاتے ہیں، اس لئے مثال دی جاتی ہے کہ ”کوئی بھی جسم حسد سے خالی نہیں، لیکن تنگ ظرف اسے ظاہر کردیتا ہے اور کریم اسے چھپا کر رکھتا ہے“۔ اور تنگ ظرف اسے ظاہر کردیتا ہے سے مراد یہ کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تعریف وتوصیف اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر کرتا ہے، (امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ: کیا مومن بھی حسد کرسکتا ہے؟ تو آپ فرمانے لگے: کیا آپ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بھول گئے، تمہارا والد نہ رہے، لیکن اس کا دستہ تمہارے دل میں ہے، یہ آپ کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچائے گا جب تک تم ہاتھ یا زبان سے اس کا اظہار نہ کردو) [1]

سلف میں سے بعض کا کہنا ہے: ”حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی، یعنی: ابلیس لعین کا وہ حسد جو اس نے آدم علیہ السلام سے کیا۔ اور یہی وہ گناہ ہے جو روئے زمین پر بھی سب سے پہلا ہے یعنی: آدم کے ایک بیٹے نے اپنے دوسرے بھائی سے حسد کیا حتی کہ اس کو قتل کردیا۔ [2]

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے ”اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے بعد میری امت میں سب سے زیادہ اموات نظر بد کی وجہ سے ہیں“۔ [3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو شخص کسی مسلمان بھائی سے متعلق اپنے دل میں حسد پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ تقویٰ اور صبر سے کام لے اور اپنے دل میں آنے والے خیال کو برا جانے“۔

---

[1] كتاب السلوك لابن تيمية 10/ 125

[2] ادب الدنيا والدين ، للماوردی ، ص 260

[3] صحیح الجامع، حدیث نمبر (1217) یہ حدیث حسن صحیح۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی نہیں بچ سکتا: ''حسد، بدگمانی، اور بدشگونی (طیرۃ) اور میں آپ کو وہ اسباب بیان کرتا ہوں جو ان سے بچا سکتے ہیں۔ جب حسد کا خیال آئے تو بغض ونفرت نہ کرو، اگر بدگمانی کا خیال آئے تو ٹوہ میں نہ لگو، جب بدشگونی کا خیال آئے تو جو کام کرنا چاہتے ہو اسے کر گذرو''۔ اسے ابن ابي الدنیا نے روایت کیا ہے، سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پہلی امتوں کی بیماری تم میں سرایت کر چکی ہے: حسد، بغض وعناد، اور یہ مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈ دیتی ہے، لیکن یہ (بیماری) دین کو مونڈ ڈالتی ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں حسد کو بیماری سے تعبیر کیا ہے۔ [1]

اب ہم سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی طرف آتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نظر بد حق ہے، اس کے ساتھ شیطان اور ابن آدم کا حسد شامل ہوجاتے ہیں''

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ حدیث بعض لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکی وہ کہنے لگے کہ ''نظر بد اتنی دور سے کیسے کام کرتی ہے کہ متاثرہ شخص کو اتنی دور سے نقصان پہنچا سکے، اور بہت سے لوگ محض ان کی طرف دیکھنے سے بیمار پڑ جاتے ہیں، اور ان کی قوت وطاقت جواب دے جاتی ہے، تو یہ سب ان روحوں [2] کی اس تاثیر سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کی ہوتی ہے، اور اس کے نظر سے گہرے تعلق ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت نظر کی طرف کر دی گئی ہے، لہذا نظر کی کوئی تاثیر نہیں بلکہ اصل تاثیر روح کی ہے، اور جو نظر لگانے والے کی آنکھ سے نکلتا ہے وہ معنوی تیر ہے، اگر وہ اس بدن میں پیوست ہوجائے جس میں کوئی حفاظتی چیز نہیں ہوتی تو وہ اس پر اثر انداز ہوجائے گا، بصورت دیگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ نظر لگانے والے کی طرف پلٹ جائے گا جیسا کہ حسی تیر

---

[1] كتاب السلوك لابن تيمية 10/ 126

[2] یعنی شیطانی روحیں، اور یہی رائے صحیح ہے اور حدیث سے موافق بھی ہے اور تجربہ بھی اس کا گواہ ہے، نہ کہ اس سے مراد محض انسانی روحیں ہیں، یہاں ابن حجر کو وہم ہوا ہے، تفصیل کیلئے دیکھیں ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب زاد المعاد 4/163 میں اس پر تعلیق

ہوتا ہے یہ دونوں برابر ہیں''۔[1]

لہٰذا آنکھ سے نکلنے والی چیز اس کا وصف (یعنی زبان کا زہر ہوتا ہے)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نابینا شخص کی نظر بھی لوگوں کو لگ جاتی ہے۔اور شیطان جو تاک میں رہتا ہے وہ اس وصف کو جو انسان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر نکلا ہوتا ہے اسے کیچ کر لیتا ہے،اور جس سے حسد کیا گیا ہے (اللہ کے حکم سے)اس کے بدن پر اثر انداز ہو جاتا ہے،اگر وہاں کوئی حفاظتی حصار نہ ہو تو۔

نظر لگانے والوں کی اقسام

۱) نظر لگانے والوں میں کچھ لوگ صاحبِ نفسِ خبیثہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر ایمان نہیں رکھتے ، ایمان بھی ان کا کمزور ہوتا ہے، کسی غیر سے نعمت کا خاتمہ ہی انہیں خوش کر سکتا ہے، ایسے لوگ اپنے بھائی کا ذکر کرتے وقت اس کی توصیف وتعریف کے وقت اللہ کا ذکر اور برکت کی دعا نہیں کرتے ،تو اس لفظ کو وہاں موجود شیطانی روحیں کیچ کر لیتی ہیں جن کا مقصد ہی مسلمان کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے تو اس وقت (اگر اللہ چاہے اور کوئی حفاظتی حصار بھی نہ ہو تو) مہلک ہوتی ہے۔ یہ وہی نظر ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نظر بد بندے کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں ڈال دیتی ہے''۔ یہ حسد وہی یہودیوں والا حسد ہے یا جوان کے طرز پہ ہوتے ہیں (اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے)۔

۲) کچھ نظر لگانے والے صاحبِ نفسِ طیبہ ہوتے ہیں لیکن منافست کی بازی میں وہ کسی مومن کی توصیف وتعریف بغیر اللہ کا نام لئے کر دیتے ہیں، جسے وہاں موجود شیاطین کیچ کر لیتے ہیں، پس وہ جس کو نظر لگائی گئی اسے اس کے جسم ، اعضاء میں تکلیف دینے کی ٹھان لیتے ہیں ، یا پھر اسے نفسیاتی ٹارچر کرتے ہیں جس میں اسے خوف ،تنگی ، وغیرہ میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔اس صورت حال میں نظر محض پریشان کن ہوتی ہے۔اور اس کا علاج بھی اللہ کے حکم سے بہت آسان ہوتا ہے۔ اس قسم کی مثال صحیح بخاری میں عامر بن ربیعہ اور سہل بن حنیف کے حوالے سے مروی روایت

---

[1] فتح الباري لابن حجر 212/10

ہے۔ جسے مفصلاً ذکر کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

یہ بات علم میں رہے کہ کوئی بھی مسلمان اللہ کے حکم سے اگر کسی مسلمان بھائی کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کی ایک ہی شرط ہے کہ وہ: اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر اس بھائی کی توصیف وتعریف کرے۔ یہ عمل شرعاً حرام ہے کیونکہ یہ زبان کا زہر ہے جو اپنا اثر دکھاتا ہے اور شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نظر بغیر حسد کے خود پسندی سے بھی لگ جاتی ہے اگرچہ وہ شخص محب ہو اور نیک آدمی بھی کیوں نہ ہو، تو جس کو اگر کوئی چیز پسند آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ فوراً اس پسند آنے والی چیز کیلئے برکت کی دعا کرے (یعنی ماشاء اللہ تبارک اللہ کہے)۔ یہی چیز اس کی طرف سے دم ہوگی''۔ (1)

حدیث عامر بن ربیعہ اور سہل بن حنیف

سدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ ''میرے والد سہل بن حنیف نہا رہے تھے۔ عامر بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) ان کے قریب سے گزرے تو فرمایا میں نے آج تک ایسا آدمی نہ دیکھا۔ پردہ دار لڑکی کا بدن بھی تو ایسا نہیں ہوتا۔ تھوڑی ہی دیر میں سہل گر پڑے۔ انہیں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا ذرا سہل کو دیکھئے تو گر پڑا ہے۔ فرمایا تمہیں کس کے متعلق خیال ہے کہ (اسکی نظر لگی ہے؟) لوگوں نے عرض کیا عامر بن ربیعہ کی۔ فرمایا آخر تم میں سے ایک اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ جو تم میں سے کوئی اپنے بھائی میں ایسی بات دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اس کو چاہئے کہ بھائی کو برکت کی دعا دے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور عامر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا وضو کریں۔ انہوں نے چہرہ دھویا اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے اور دونوں گھٹنے دھوئے اور ازار کے اندر (ستر) کا حصہ دھویا۔ آپ نے یہ دھون (پیچھے سے) سہل پر ڈالنے کا حکم فرمایا، اسی لمحے سہل رضی اللہ عنہ ٹھیک ہوگئے''۔ (2) ایک روایت میں ہے ''مجھے گمان ہے کہ آپ نے فرمایا'' اس حکم دیا تو

---

(1) فتح الباری: 10/ 215

(2) صحیح الجامع للألبانی (3908)

انہوں نے اس سے کچھ پی لیا''۔ (1)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں: ''کپڑے کی چنٹ اور اندرونی اعضاء اور تہبند کا اندرونی حصہ یہ وہ جسم انسانی کے حصے ہیں جن سے شیطانی ارواح کا تعلق ہوتا ہے'' (2)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بسند حسن روایت نقل کی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے''۔ (3)

فوائدِ حدیث:

اول: جب عامر بن ربیعہ نے سہل کی اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر توصیف وتعریف کی تو شیطان نے ان کلمات کو پسند کرتے ہوئے اچک کر سہل کو تکلیف پہنچادی، یہ منظر دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سب سے پہلا سوال یہ پوچھا کہ ''کیا تم کسی ایک پر تہمت لگاتے ہو'' اسی ضمن میں دیگر سوال بھی آسکتے ہیں جو مریض سے پوچھے جاسکتے ہیں:

جیسا کہ:

۱: کیا آپ کسی کو متہم کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی تعریف بیان کی ہو یا کوئی صفت مدح ذکر کی ہو؟

۲: کیا آپ کو کسی شخص نے بتایا ہے کہ اس نے کسی کو آپ کے بارے میں بات کرتے ہوئے یا کچھ کلمات کہتے ہوئے سنا ہے؟

۳: کیا آپ خواب میں دیکھتے ہیں کوئی مخصوص شخص آپ کو مسلسل تکلیف دے رہا ہے؟

۴: کیا آپ خواب میں چند حیوانات: جیسا کہ کتے، اونٹ، بلیاں، بندر، سانپ، بچھو یا بھونرا وغیرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ پر حملہ آور ہو رہے ہیں؟ (4)

---

(1) مسند امام احمد 3/ 447

(2) زاد المعاد 4/ 163

(3) زاد المعاد 4/ 159

(4) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین 1/ 405 میں خواب کی تعبیر کرنے والوں کا حیوانات کی دلالت کے بارے میں بڑا نفیس کلام کیا ہے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

ابتدائی تین سوالوں کا جواب اگر ہاں میں ہے تو وصف بیان کرنے والے شخص کا جوٹھا اس کا لعاب یا پسینہ، لیکر اسے پانی میں ملا کر متاثرہ شخص کے سر پر سے ایک بار بہایا جائے۔ اور اگر نظر نے جسم کے کسی اندرونی حصے کو متاثر کیا ہو جیسا کہ پیٹ تو اس پانی کو پی لینا چاہئے۔ اور ان دونوں کاموں میں جمع کرنا بھی افضل ہے۔

اور چوتھے سوال کا جواب اگر ہاں میں ہو تو اس کے متعلق ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے رہنمائی ملتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خواب کی کنیت اور نام ہوتے ہیں لہذا انہیں ان کی کنیت اور ناموں کے لحاظ سے پہچانا کرو''۔ ①

پس اس مریض سے ہم پوچھیں کہ آپ اس حیوان سے اپنے عزیزوں دوستوں اور پڑوسیوں میں سے کون مراد لیتے ہیں، یا آپ اس حیوان کو کس جگہ پاتے ہیں؟ اس سوال سے اس کے دل میں چند افراد کا نقشہ آئے گا جس کی روشنی میں ان پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کا استعمال شدہ پانی وغیرہ لیکر مریض کو پلایا جائے۔ کیونکہ انسان اگر مسلسل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تو وہ اس ذریعہ سے اس شیطان کو تکلیف پہنچاتا رہتا ہے جو اس صفت وتعریف کے ذریعے آیا ہوتا ہے، اس لئے پھر وہ اسے خواب میں نظر لگانے والے شخص یا ایسے جانور کی شکل میں نظر آتا ہے جس سے نظر لگانے والے کی نشاندہی ہو، تاکہ وہ اس تکلیف سے نجات پائے جس میں وہ مسلسل جکڑا ہوا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ: ''یہ ہے وہ شخص نظر لگانے والا لہذا اس کا اثر لے لو اور مجھے اس عذاب سے نجات دلا دو جس میں میں مبتلا ہوں'' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم میں سے ایک اپنے شیطان کو اتنا تھکا دیتا ہے جتنا کہ تم میں سے ایک اپنے اونٹ کو سفر میں تھکا دیتا ہے''۔ ② یعنی کثرت ذکر کی وجہ سے۔ (اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے)۔

دوم: کسی کی تعریف کے ساتھ برکت کی دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس جن کو متاثرہ شخص تک پہنچے سے روک دیتا ہے اور اسے اس سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا کہ ''تم نے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟'' سے یہی معنیٰ مستفید ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''

---

① اس روایت کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

② مسند امام احمد 2/380

جنات کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ: ''بسم اللہ'' کہنا ہے''۔ [1]

سوم : نبی کریم ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو غسل کرنے کا حکم دیا ۔ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کپڑوں کی چنٹا ور اندرونی اعضاء اور تہبند کا اندرونی حصہ یہ وہ جسم انسانی کے حصے ہیں جن سے شیطانی ارواح کا تعلق ہوتا ہے''۔ [2] اس سے مراد یہ کہ انسان کے پسینہ کی منفرد بو ہوتی ہے ، جو ہر انسان کا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، کتے کو بھی یہ پتہ ہوتا ہے اور اس شیطان کو بھی جو اس نظر بد لگانے والے سے نکلا ہوتا ہے ،تو جب اس کا پسینہ یا اس کی لعاب لیکر اس سے غسل کیا جاتا ہے یا اسے پیا جاتا ہے اگر تکلیف پیٹ کے اندرونی حصہ میں ہوتو ، اس سے وہ شیطان دور ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اس وصف سے مربوط ہوتا ہے جو اسے پسند آیا ہو، جیسا کہ اس نظر بد لگانے والے نے اپنے سے نکلنے والے اس پسینے وغیرہ میں متاثرہ شخص کو اختیار دے دیا کہ وہ اس سے اس کے شیطان سے خلاصی حاصل کرلے ،تو اس وقت اس کا شیطان اس شخص سے نکل جاتا ہے''۔!

چہارم: ''اس کے پشت سے اس پر پانی انڈیلا گیا'' یعنی اس جگہ سے جہاں سے نظر لگانے والے نے دیکھا تھا ، کیونکہ اس تعریف کے باعث نکلنے والا شیطان کا سبب وہ گہری سفیدی ہے جو عمومی طور پر جسم میں تھی ،سر پر پانی اس لئے بہایا گیا تا کہ متاثر ہونے والے جسم کے تمام حصوں پر پانی پہنچ جائے ۔اور اگر کسی متاثرہ شخص کو زیادہ کھانے کی وجہ سے نظر لگی ہو اور اس کے پیٹ میں درد شروع ہوجائے تو ضروری ہے کہ یہ اثر (لعاب یا پسینہ) اس کے پیٹ کے اندرونی حصوں تک پہنچے کیونکہ وہی جگہ نظر سے متاثر ہے، اسی طرح دیگر اعضاء کا بھی مسئلہ ہے، اور اس کیلئے غسل کرنا بھی شرط نہیں۔ [3]

---

[1] الجامع الکبیر للسیوطی 14622

[2] زاد المعاد 4/163

[3] سماحۃ الشیخ علامہ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ چہرہ دھونا کلی کرنا اور ہاتھوں کو دھونا ہی نظر بد کے علاج کیلئے کافی ہے، اگر کسی معین انسان پر الزام ہو، اگرچہ وہ غسل نہ کرے'' دیکھئے: فتاویٰ السحر والعین والمس ، کیسٹ تسجیلات بردین -

فائدہ: طبی سائنس [1] کی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے لعاب، پسینہ، ناخن، اور خون، اگر انسانی جسم سے علیحدہ بھی ہو جائیں تو وہ ایک خاص لہریں چھوڑتے اور خارج کرتے رہتے ہیں، اس لئے جادوگر ناخن، اور بال جادوئی عمل میں استعمال کرتے ہیں تاکہ ان لہروں کو بذریعہ جن استعمال کراتے ہوئے جادو سے متاثرہ شخص کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال کر سکیں۔

پنجم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہل رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''اے اللہ اس نظر کی گرمی سردی اور تکلیف دور فرمادے''۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ نظر کا پیچھا شیطان کرتا رہتا ہے، اور جزی طور پر وہ متاثرہ شخص کو متلبس بھی کرتا ہے جس سے اس کو سینے میں گھٹن محسوس ہوتی ہے (شیطان کے اس دباؤ کی وجہ سے)۔ جس کے التباس کی علامات میں سے یہ بھی علامت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ کمر کی گرمی، ہاتھوں پاؤں کا ٹھنڈا ہونا، اور سارے جسم میں تھکاوٹ محسوس ہونا، اس کے ساتھ ساتھ وہ تنگی اور گھٹن بھی ہے جس میں ڈکار جمائیوں اور شدید اشتعال شامل ہے۔

ششم: اگر وہ کسی معین کو مورد الزام نہیں لگاتا تو اس وقت اسے چاہئے کہ وہ قراءت کا آغاز کردے، لیکن اس سے قبل مریض کیلئے چند ضروری ہدایات کی پیروی ضروری ہے جس کا بیان آئندہ صفحات میں آئے گا (ان شاءاللہ)

نظر بد لگنے کا پتہ کیسے چلے گا؟

نظر بد سے متاثرہ انسان کی چند علامات ہیں جن میں۔ سر درد، چہرے کی پیلاہٹ، زیادہ پسینہ آنا، زیادہ پیشاب آنا، ڈکار اور جمائیوں کا زیادہ آنا، نیند کی کمی یا کثرت، بھوک کا نہ لگنا،

---

[1] سائنس میں اس کا نام (ریڈیونک) ہے۔ اس سی ذاتی لہر نکلتی ہے۔ یہ ایک خاص علم ہے جس سے میڈیکلی علاج میں مرض کی تشخیص کیلئے مدد لی جاتی ہے۔ برطانیہ، جرمنی، فرانس، اور امریکہ میں اس کی باقاعدہ درسگاہیں ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر انسان کی ایک ذاتی لہر ہوتی ہے جو دوسرے انسان سے بالکل مختلف ہوتی ہے، جیسا انسان کی انگلیوں کے نشان آپس میں نہیں ملتے اسی طرح یہ بھی ہر انسان کی دوسرے سے مختلف لہر ہوتی ہے۔ لہذا انسان کے جسم سے جو چیز بھی علیحدہ ہوتی ہے جیسے بال، ناخن، لعاب، پسینہ یا خون اس میں وہ لہر ساتھ ہوتی ہے۔ اس لہر کو صرف ایک ہی چیز ختم کر سکتی ہے وہ یہ کہ انہیں تلف کر دیا جائے یا دفنا دیا جائے۔ ایسا کرنے سے اس لہر کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جادوگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں رطوبت کا پایا جانا اور ان میں سونے کی کیفیت کا پیدا ہونا۔ دل کی دھڑکن کا کم ہونا، دل بیٹھنا، غیر طبیعی خوف، شدید ترین غصہ اور اشتعال، غم اور دل میں گھٹن کا احساس، کمر کے نچلے حصے میں اور دونوں کندھوں کے درمیان درد محسوس کرنا، رات کو پسینے میں شرابور ہونا۔ یہ علامات نظر بد کی قوت اور نظر لگانے والوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے تمام کی تمام بھی پائی جاسکتی ہیں یا ان میں سے چند علامات پائی جاتی ہیں۔ اور ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ علامات اس شخص میں بھی پائی جائیں جو نظر بد کا شکار نہ ہو جس کی وجہ کوئی جسمانی یا نفسیاتی مرض ہوتا ہے۔

جس پر دم کیا جائے اس کیلئے دم سے قبل چند ضروری ہدایات:

1: **یقین کامل اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا:** اور یہ کامل یقین رکھے کہ قرآن میں شفا ہے، اسے چاہئے کہ قرآن کریم کا علاج بطور تجربہ نہیں بلکہ یقین کامل سے کرے۔

2: **تصوراتی قراءت کا اہتمام کرنا:** وہ یہ کہ پڑھنے والا اور جس پر پڑھا جارہا ہے یہ تصور رکھیں کہ یہ آیات اس مریض کو شفا دیں گی اور اس ایذا دینے والے جن وغیرہ کی اللہ کے حکم سے ہدایت کا باعث بنیں گی۔

3: **شک کا طریقہ استعمال کرنا:** وہ یہ کہ کسی پر شک ظاہر کرنے کے طریقہ کا استعمال کرنا جیسا کہ عامر بن ربیعہ کی گزشتہ حدیث میں گذرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا ''تم کسے مورد الزام ٹھہراتے ہو'' یہ صحیح حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظر بد کو ثابت کرنے کیلئے اس شخص پر شک کا اظہار کیا جائے جس پر گمان غالب ہو کہ اس سے نظر لگی ہے یا لگ سکتی ہے، اور یہ چیز ظلم یا فساد نہیں کہلائے گی کیونکہ یہاں متاثرہ شخص جس پر دم کیا جارہا ہے اسے یہ احساس دلانا لازمی ہے کہ وہ اس متہم شخص سے حسن ظن رکھے اور یہ کہ اس نے جو اس کی تعریف کی ہے وہ حسد میں نہیں بلکہ مذاق اور ہنسی میں کی ہے۔ ہاں البتہ اس نے تعریف کرتے وقت اللہ کا ذکر نہیں کیا اس لئے اس تعریف میں شیطان شامل ہوگیا اور اس کو لیکر مریض کو نقصان پہنچانے لگا جبکہ تعریف کرنے والے کو اس کا پتہ تک بھی نہ تھا کہ ایسا ہوگیا ہے۔ کیونکہ یہ مس شیطانی جو اس تعریف کی وجہ سے جاری ہوا ہے یہ وصف جزوی اور بیرونی ہے جو انسان کو باہر سے تکلیف پہنچاتا ہے اور اس

کے ساتھ اس کا کچھ اثر جزوی طور پر جسم کے اندرونی حصہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے جس کے ساتھ جسم کی کیمیائی حالت میں تبدیلی آجاتی ہے، اسصورت میں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوجاتے ہیں، اور آنکھوں اور کمر میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے، ہونٹ خشک ہوجاتے ہیں اور زائد اشتعال اور عجیب وغریب افکار کا ظہور ہوتا ہے، تو یہ جزوی مس ایسا نہیں کہ ایسے دخول کلی قرار دیا جائے کہ اس سے مخاطبت ممکن ہو [1] تو یہ بات محض شک تک محدود رہے گی جس کے بارے میں نبی ﷺ نے رہنمائی کی ہے۔ کہ اس شخص ان افراد سے متعلق پوچھا جائے جن کی اسے نظر لگنے کا خدشہ ممکن تھا۔ تو وہ تمام لوگ اس شک کی فہرست میں آجائیں گے جن کا اس نے نام لیا۔ (اس بنا پر ان سے ان کا لعاب، پسینہ یا دیگر چیز لیکر مریض کا علاج ممکن ہوجائے گا)۔

نظر بد سے متاثرہ شخص پر پڑھے جانے والے اوراد واذکار

قرآنی آیات: سورہ فاتحہ، سورہ بقرۃ کا ابتدائی حصہ، آیت الکرسی، سورہ بقری کی آخری دو آیات، سورہ آل عمران کا ابتدائی حصہ، سورہ حشری کی آخری آیات (22 تا 24)

فرمان باری تعالیٰ:

✵﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[البقرة: 137]

✵﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾[القلم: 51]

✵﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾[النساء: 54]

✵﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ﴾[الملك: 3]

✵﴿يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[الأحقاف: 31]

✵ معوذتین (سورہ الفلق اور سورۃ الناس)۔ سورہ اخلاص۔ اور اس کے ساتھ شفاء والی آیات پڑھی

---

[1] اور اصل یہی ہے کہ اس سے ہم کلام نہ ہوا جائے تا کہ اس شر کو دور کیا جا سکے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔

جائیں جو کہ یہ ہیں:

✳﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ [الإسراء: 82]

✳﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾ [فصلت: 44]

✳﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [يونس: 57]

✳﴿وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ﴾ [التوبة: 14]

✳﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ [الشعراء: 80]

مسنون دعائیں:

✳ (اَسْئَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ) سات مرتبہ

✳ (اُعِيْذُكَ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ) تین مرتبہ

✳ (اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْهِبِ الْبَأْسَ، واشْفِ، أَنْتَ الشَّافِي لا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفاءً لا يُغَادِرُ سقماً) تین مرتبہ

✳ (حَسْبِيَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ) سات مرتبہ

✳ (بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) تین مرتبہ

✳ (اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا)

چند ضروری ہدایات:

قرآن کریم کی تمام آیات شفاء اور ہدایت کی نیت سے دم کیا جا سکتا ہے۔

دم کرنے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند طریقے منقول ہیں جو یہ ہیں۔

1: دم پڑھنا اور اس کے ساتھ تھتکارنا ہر آیت کے اختتام پر یا چند آیات کے بعد یا مکمل قراءت کے بعد۔

2: تھتکارنے کے بغیر دم کرنا۔

3: آیات وادعیہ پڑھنا پھر انگلی سے لعاب لیکر اس کو مٹی سے ملا کر تکلیف کی جگہ پر ملنا۔

4: متاثرہ جگہ پر ملنے کے ساتھ دم کرنا۔

ابتدا میں یہ خیال رکھا جائے کہ بہتر یہ ہے کہ ابتدا میں مریض پر زیادہ دم نہ پڑھا جائے بلکہ بعض دعاؤں اوراذکار پر ہی اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ (دم) دعا کے مثل ہے، جس میں افراط وتفریط نہیں، اور اس لئے بھی کہ دم کرنے والا اور جس پر کیا جارہا ہے اکتا نہ جائیں، اس شخص کو جسے کسی زہریلی چیز نے کاٹ لیا تھا اور ایک صحابی نے اس پر صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے۔

چوتھی فصل

حسد اور جادو

حسد کی اقسام:

مندوب اور جائز حسد: اسے غبطہ (یعنی رشک) کہا جاتا ہے۔ اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسری مسلمان بھائی کی خود پر برتری کو دیکھ کر یہ چاہے کہ میں بھی اس جیسا ہو جاؤں یا اس سے بہتر ہو جاؤں لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے اس بھائی سے اس نعمت کے زوال کی تمنا نہ کرے، اسے نیک میں مقابلہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ''میں کبھی کسی چیز میں آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا'' یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''جو عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا وہ جائز مقابلہ اور رشک تھا تو یہ چیز محمود اور قابل ستائش ہے، لیکن صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت ان سے افضل اور بہتر تھی، وہ اس طرح کہ ان کی طبیعت مقابلہ سے مطلقاً خالی تھی وہ دوسرے کے حال کی جانب بالکل نہیں دیکھتے تھے'' [1]

یہی حال اس صحابی کا تھا جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ابھی تم پر ایک جنتی شخص

---

[1] السلوک 10/118

داخل ہوگا''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔تو جب ان صحابی سے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ فرمانے لگے:''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے متعلق کوئی کینہ نہیں رکھتا اور کسی مسلمان کو ملنے والی نعمتوں اور خیر پر اس سے حسد نہیں کرتا'' تو عبد اللہ فرمانے لگے''یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس درجے تک پہنچایا اور جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے''۔(1)

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صورت حال تھی کہ جب آپ اسراء ومعراج کے موقع پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے تو وہ رونے لگے۔

تو یہ رشک ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک فرمان میں حسد کا نام دیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ''کسی شخص پر حسد (رشک) کرنا سوائے دو شخصوں کے جائز نہیں، ایک وہ شخص جسے اللہ نے کتاب دی اور وہ اٹھ کر اسے رات کو پڑھتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ دن رات اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے''۔(2)

اسی اعلیٰ صفت کی بنیاد پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا وزن پوری امت کے ایمان سے کیا گیا۔

وہ ان میں سے ہیں جن کے بارے میں باری جل وعلا نے یہ فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (۱۰) أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ﴾[الواقعة: 10، 11]

ترجمہ:''اور جو سبقت لے گئے تو وہ سبقت لے گئے، یہ وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو نوازا گیا ہوگا قرب (خاص) سے''۔

دوم: جائز حسد: دنیا کے معاملات میں دو شرائط کے ساتھ رشک جائز ہے۔

پہلی شرط: برکت کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ۔

دوسری شرط: اپنے مومن بھائی سے اس نعمت کے زوال کی تمنا نہ کی جائے۔

---

(1) السلوک 10/ 119

(2) صحیح بخاری، 2/ 201

سوم: مکرہ حسد: اپنے بھائی کی کوئی توصیف بیان کرنا اللہ کا نام لئے بغیر، اور برکت کی دعا دئے بغیر۔ جس شخص نے ایسا کیا گویا کہ اس نے اپنے بھائی کیلئے شیطان کے تکلیف دینے کا دروازہ کھول دیا ہے، اگرچہ وہ اس سے نعمت کے زوال کا متمنی نہیں تھا، وہ چونکہ ذکر نہیں کرتا اس لئے مذموم ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف ومدح کی ہے جو اٹھتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ صرف اللہ کا ذکر مقصود نہیں بلکہ اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کیلئے شیطانی ایذا رسانی کا دروازہ نہ کھولا جائے۔ جیسا کہ عامر بن ربیعہ اور سہل بن سعد کے واقعہ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ (1)

چہارم: حرام حسد: اگر کوئی حسد سابقہ شرائط سے عاری ہے تو وہ حرام کہلائے گا، لہذا جس نے کسی کی تعریف کے وقت برکت کی دعا نہ دی، اور اپنے بھائی سے نعمت کے زوال کی تمنا کی، تو یہ قاتل نظر بد ہے۔ اور اس طرح کی نظر بد صرف اور صرف نفسِ خبیثہ سے ہی صادر ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ، اس کی مثال یہود کے حسد کی مانند ہے۔ (2)

نظر بد کا جادو سے تعلق

باری جل وعلا کا سورہ فلق میں یہ فرمان:

﴿وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الۡعُقَدِ(4)وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾[الفلق: 4، 5]

''اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی)۔ اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے''۔

(ملاحظہ کریں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کیسے ''نفاثات'' کو معرفہ اور اس سے قبل (غاسق اور حاسد) کو نکرہ بیان کیا ہے؟ کیونکہ ہر گرہ پر پھونکنے والے جادوگر میں شر ہے، جبکہ ہر غاسق اور حاسد صاحبِ

---

(1) ان کا ایسا کرنا مذموم ٹھہرا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے بھائی کی تعریف کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا تھا۔

(2) یہ فعل انتہائی مذموم فعل ہے، کیونکہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا اور اپنے بھائی سے نعمت کے زوال کی تمنا ہوتی ہے۔

شر نہیں ہوتا)۔ (1)

فائدہ: بعض عامۃ الناس کا خیال ہے کہ اگر نظر بد لگانے والے کو پتہ چل جائے کہ اس سے اثر لیا گیا ہے تو، یہ اثر فائدہ نہیں دے گا، جبکہ یہ سوچ سراسر غلط ہے اور عامر بن ربیعہ اور سہل کے حوالے سے مروی روایت کے برخلاف ہے کیونکہ اس روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامر کو کہا کہ: ''اپنے بھائی کیلئے غسل کرو تو وہ تو جانتا تھا، اس کے باوجود نظر بد کا اثر ختم ہو گیا''۔

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جادو اور حسد کو یکجا کر کے بیان کیا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ان دونوں میں باہمی ربط موجود ہے۔ جادوگر بالوں یا ناخنوں کی گرہ پر پھونکتا ہے جس کے ذریعے وہ ایک شیطان خاص کر دیتا ہے تا کہ وہ مسحور شخص کو ایذا پہنچاتا رہے۔ اور حاسد (نظر بد والا شخص) بھی شیطان کو ایک وصف جو اسے پسند آیا ہوتا ہے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا سے خاص کر دیتا ہے جو شیطان نظر بد سے متاثرہ شخص کو نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ یہ دونوں نقصان پہنچاتے ہیں لہذا اثر میں مشترک ہیں اور وسیلہ میں مختلف۔

فائدہ: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ [الفلق: 4]

ترجمہ: ''اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی)''۔

فائدہ: زہریلی نظر جس کا ذکر اہل علم نے کیا ہے اور اسے سانپوں میں دم بریدہ اور سفید دھاری دار کو قیاس کیا ہے، کیونکہ اسے ذاتی طور پر زہریلی طاقت ودیعت کی گئی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مرغے کی آنکھ کو ملائکہ کے دیکھنے کی قوت عطا کی گئی ہے، اور کتے اور گدھے کی آنکھ کو شیاطین کے دیکھنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے، جبکہ انسان کا جہاں تک تعلق ہے تو اسے جو ایذا دینے والی زہریلی طاقت دی گئی ہے وہ ذاتی نہیں ہے، بلکہ وہ وصف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا جیسا کہ گذشتہ حدیث میں بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نظر بد حق ہے اس میں شیطان شامل ہوتا ہے'' یہ اثر نظر کے

(1) فتح الرحمٰن لابی زکریا الانصاری 634

دیکھنے کی وجہ سے نہیں ہے [1]

جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے سابقہ بحث میں واضح کر دیا ہے۔ اس کی مزید توضیح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے''۔ کیونکہ ان دونوں میں باہمی تعلق وربط ہوتا ہے۔

فائدہ: عامۃ الناس کے ہاں یہ بھی تصور پایا جاتا ہے کہ اگر کسی پر جن مسلط ہوا ہے تو اگر وہ عورت ہے تو اس پر مرد جن مسلط ہوگا اور اگر مرد ہے تو اس پر عورت جن مسلط ہوگی۔ یہ نظریہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں جب آپ کے پاس ایک پاگل مرد علاج کیلئے لایا گیا تو آپ نے اس کے جن کو کہا ''اللہ کے دشمن نکل جاؤ میں اللہ کا رسول ہوں'' یعنی آپ نے مذکر کے خطاب سے مخاطب کیا (جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جن مرد تھا)۔

فائدہ: بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ جادو میں بیری کے پتوں کا استعمال اور ان سے غسل کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ یہ وہ تجربات ہیں جو وھب بن منبہ نے کیے جسے ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ بیری کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جنوں کو سدرۃ المنتہیٰ کی یاد دلاتی ہے جس کے پاس جنت الماویٰ ہے، اور جنت میں سدر مخضود (بغیر کانٹوں کے بیری) کی یاد دلاتی ہے، جس سے وہ ڈر جاتے ہیں کیونکہ وہ حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ لہٰذا بیری کا استعمال چاہے وہ جادو میں ہو یا کسی اور چیز میں اس سے جنات کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور اس کا محض جادو سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

دعوت الی اللہ کی نیت سے دم کرنے کی اہمیت پر مشتمل اہم فائدہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ﴾ [آل عمران:104]

ترجمہ: ''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں''۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وہ کیسے دعوت دیتے ہیں؟ اس

---

[1] کیونکہ نابینا کی نظر بھی لگ جاتی ہے۔

میں مفعول محذوف ہے۔ اس میں ہر وہ شامل ہے جس کو دعوت دی جائے، کوئی بھی انسان، اور کیا جنوں کو بھی دعوت دی جائے گی؟ جی ہاں انہیں بھی دعوت دی جائے گی، اس لئے یہاں عموم کی وجہ سے مفعول محذوف ہے۔'' (1)

پانچویں فصل

نظر بد اور جادو سے بچاؤ کی تدابیر

مصیبت کے نزول سے قبل اس سے بچانے اور محفوظ رکھنے والے اعمال

ا: بندہ اپنے رب کو یاد رکھے اس کے اوامر کی اطاعت کرتے ہوئے: جیسا کہ مسجد میں باجماعت پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس آدمی نے صبح کی نماز پڑھی تو وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے اللہ کی ذمہ داری میں خلل نہ ڈالو تو جو اس طرح کرے گا اللہ اسے اوندھے منہ جہنم کی آگ میں ڈال دے گا''۔ (2)

والدین کی اطاعت اور ان سے حسنِ سلوک۔

نفلی نمازوں، روزوں اور قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرنا۔

اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور سے اجتناب کرے۔ حرام چیزوں پر نظر ڈالنے سے بچے، بیہودہ چینلز سے دور رہے، گانوں کے گانے اور سننے کو ترک کردے، منکرات پر مبنی مجالس کا بائیکاٹ کرے۔ ایسا کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وہ حفاظت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان کے ذریعے بشارت دی کہ'' احفظ اللہ یحفظک '' (3) اللہ کو ہمیشہ یاد رکھ وہ تجھے محفوظ رکھے گا''۔

۲: اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنا

قرآن وسنت سے ثابت شدہ اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنا، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے

---

(1) تفسیر سورہ آل عمران۔ از شیخ عثیمین رحمہ اللہ کیسٹ نمبر ۳۰، تسجیلات الاستقامۃ۔

(2) صحیح مسلم

(3) مسند احمد، سنن ترمذی

رہنا، جیسا کہ نماز کے بعد کے اذکار کا اہتمام کرنا، یومیہ بنیاد پر قرآن مجید کی تلاوت کا اور صبح وشام کے اذکار کا اہتمام کرنا۔ نیز اس کے ساتھ سوتے وقت اور جاگتے وقت کی دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى﴾ [طه: 124]

ترجمہ: ''اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے''۔

مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد کے وہ اعمال جو اللہ کے حکم سے اس بیماری کے خاتمے کا باعث بنتے ہیں

1: **دوران دم یقینِ کامل اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا:** انسان یہ نہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا تجربہ کر کے دیکھتا ہوں۔ بلکہ یقین رکھے کہ اسی میں شفاء ہے۔ اور علاج کی اصل اور بنیادی دوا یہی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾

ترجمہ: ''قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی''۔ [الإسراء:82]

2: **خالق و مالک کی تعظیم وتکریم بجالانا اور اسی سے التجا کرنا:** اسی سے تعلق جوڑنا توبہ کرنا اور ہر وقت اسے پکارتے رہنا، کیونکہ وہ اکیلا و یکتا ہی شفاء دے سکتا ہے۔ اور اگر آپ کو تکلیف پہنچتی ہے تو آپ کا خود اپنے او پر دم کرنا اس سے بہتر ہے کہ کوئی اور آپ پر دم کرے۔

3: **لوگوں سے احسان کا معاملہ کرنا، اور صدقہ وخیرات کرتے رہنا:** نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

''جس آدمی نے کسی مومن سے دنیا میں مصیبتوں کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں کو دور کرے گا اور جس نے تنگ دست پر آسانی کی اللہ اس پر دنیا میں اور آخرت میں آسانی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد میں ہوتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد میں لگا

رہتا ہے کہ جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے''۔ (1)

اور ابی امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کیا کرو''۔ (2)

یومیہ اذکار	تعدادِ اذکار	فوائد وثمرات
آیۃ الکرسی	صبح وشام ایک مرتبہ، سوتے وقت ایک مرتبہ، ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ۔	فرشتوں کے ذریعہ حفاظت، شیاطین کو گھروں سے بھگانے کا ذریعہ، جنت میں داخلے کا سبب۔
سورہ بقرۃ آخری دو آیتیں	ایک مرتبہ شام میں یا نیند سے قبل یا اپنے گھر میں پڑھیں۔	ہر قسم کی شریر چیزوں کے شر سے حفاظت اور تین راتوں تک شیاطین کو گھر سے دور رکھنے کا ذریعہ۔
سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد) اور معوذتان (سورہ فلق) (سورہ الناس)	صبح وشام تین تین مرتبہ، سوتے وقت ایک مرتبہ، ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ۔	ہر قسم کی شریر چیزوں کے شر سے بچاؤ اور انسانی نظر بد سے حفاظت۔
بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔	صبح وشام تین بار۔	کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا، اچانک افتاد سے حفاظت، ہر تکلیف سے بچاؤ کا ذریعہ۔

(1) صحیح مسلم

(2) صحیح الجامع للالبانی 2358

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔	تین مرتبہ شام کے وقت، اور کسی بھی جگہ پڑاؤ ڈالتے وقت۔	تمام املاک کی ہر قسم کے نقصان سے حفاظت، زہریلے جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کے زہر کو زائل کرنے کا سبب۔
حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ)س	صبح وشام سات بار۔	دنیا کے تمام غموں سے حفاظت کا باعث۔
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بازار میں داخل ہوتے وقت وله الحمد کے بعد ان الفاظ کو بڑھا دیں) يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔	صبح وشام دس دس مرتبہ یا دن میں سو مرتبہ یا اس سے زیادہ بار، بازار میں داخل ہوتے ہوئے ایک مرتبہ۔	سو نیکیوں کو جمع کرنے اور سو گناہوں کو مٹانے کا سبب، دس گردنوں کو آزاد کرنے کا ثواب، نامہ اعمال میں دس لاکھ نیکیوں کا اندراج اور دس لاکھ خطاؤں کو مٹانے کا باعث (جنت میں ایک گھر کی تعمیر کا ذریعہ)۔

یومیہ اذکار	تعدادِ اذکار	فوائد وثمرات
بسم الله، توكَّلتُ على الله، ولا حولَ ولا قوةَ إلا بالله۔	گھر سے نکلتے وقت ایک مرتبہ	تین مختلف حصاروں کے ذریعہ شیطان سے حفاظت: اللہ اس شخص کے لئے کافی ہوجائے گا، اسے شیطان کے شر سے بچائے گا اور شیطان کو اس سے دور رکھے گا۔

أعوذ بالله العظیم، وبوجهه الکریم، وسلطانه القدیم، من الشیطان الرجیم۔	مسجد میں داخل ہوتے وقت ایک مرتبہ	اس دن شیطان سے مکمل حفاظت کا سبب۔
أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَیْهِ۔	کثرت کے ساتھ پڑھا جائے	تمام گناہوں سے خلاصی کا سبب چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔
کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا اور افضل ترین درود درودِ ابراہیمی (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) ہے۔	اس کی حد مقرر نہیں البتہ کم ازکم صبح وشام دس دس مرتبہ پڑھا جائے۔	دنیا اور آخرت کی بھلائی کو جمع کرنے والا عمل یعنی دنیا کے تمام غموں سے حفاظت کا باعث اور تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ۔
تمام فرض نمازوں کی مسجد میں باجماعت ادائیگی۔	پانچ نمازیں	جن وانس میں موجود شیطانوں کے ہر قسم کے شر سے حفاظت۔
أَسْتَوْدِعُکُمُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا تُضِیْعُ وَدَائِعَهٗ۔	جس چیز کی بھی حفاظت مقصود ہو اس پر ایک بار پڑھیں۔	مال واولاد دیگر چیزوں کی حفاظت اور چوری اورنقصان سے بچاؤ کا ذریعہ۔

مدارس کے ضعیف العمر اور بیمار اساتذہ مسائل
مشکلات اور ان کا حل

رفیق احمد رئیس سلفی (علی گڑھ)

زیر نظر مضمون ہندوستان کی مایہ ناز علمی شخصیت فضیلۃ الشیخ رفیق احمد رئیس سلفی حفظہ اللہ کی تحریر ہے، جونوائے اسلام دہلی کی اکتوبر 2015 کی اشاعت میں شائع ہوا۔موصوف نے موضوع پر انتہائی عمدہ اور نمایاں داد تحقیق دی ہے۔موضوع کی افادیت اور عصر حاضر میں اس کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر اسے البیان کی اس اشاعت میں شامل کیا جارہا ہے۔شیخ حفظہ اللہ نے یہ تحریر ہندوستانی معاشرہ کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی اس لئے اس میں چند ایک ایسے پیراگراف تھے جن کا تعلق محض ہندوستانی معاشرہ وملک سے تھا جسے ہم نے حذف کردیا ہے اور جہاں مناسب تبدیلی محسوس کی اپنے ملک وقوم کے اعتبار سے وہ بھی کردی ہے جو بظاہر بہت کم مقامات پر ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شیخ حفظہ اللہ کی اس کاوش کو باعث اجر اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

سرکاری امداد ومراعات سے محروم دینی مدارس وجامعات کا ہمارے ملک میں ایک طویل سلسلہ ہے جن میں ملک کے ہزاروں مسلمان بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔کہنے کو بلاشبہ یہ خالص مذہبی تعلیم ہے لیکن اس سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ میں جو صلاحیت پیدا ہوتی ہے،اس کی بنیاد پر وہ تعلیم وتدریس کے علاوہ دوسرے کئی پیشہ وارنہ کاموں سے بھی وابستہ ہوجاتے ہیں اور اپنی محنت سے اپنی فیملی کی کفالت کرتے ہیں۔ملک کی یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو دینی مدارس وجامعات انجام دیتے ہیں۔ان کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگانے والے حضرات ان کے نظام تعلیم

وتربیت سے واقف نہیں ہیں یا پھروہ تعصب میں گرفتار ہیں اوردین دشمنی میں منفی باتیں کرتے ہیں۔ملک کی آزادی اوراس کی تعمیروترقی میں فضلائے مدارس وجامعات کا بڑااہم کردار رہا ہے۔

ملک کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت میں جن حضرات نے اپنی جوانی کے بیش قیمت ماہ وسال لگادیے، یہ کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ ایسے حضرات کی ضعیفی اور بڑھاپے کے لیے نہ ملک کوئی انتظام کرتا ہے اور نہ ہی ہماری ملت ان کے بارے میں فکرمند ہے۔ریٹائرڈمنٹ کی عمر کے بعد بھی ان میں بعض حضرات کی خدمات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اوراس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک ان کے جسم میں جان باقی رہتی ہے لیکن یہی اساتذہ کرام اگر تدریس کے دوران یا ضعیفی میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوجائیں جس پر دو چار لاکھ روپے خرچ ہورہے ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔مدارس وجامعات میں اساتذہ کرام کو جو مشاہرہ دیا جاتا ہے وہ بہت کم ہوتا ہے،اس میں بہ مشکل وہ اپنی فیملی چلا پاتے ہیں۔اس قلیل آمدنی میں بچت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اپنے بچوں کی شادی یااپنے ذاتی گھر کی تعمیران کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں۔

سرکاری تعلیمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے والے اساتذہ اپنے مستقبل کو لے کر بہت زیادہ فکرمند نہیں ہوتے بلکہ انہیں اطمینان ہوتا ہے کہ سرکاری سطح پر ان کے لیے ایک قابل لحاظ رقم مختص ہوچکی ہے جو ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کے بعد انہیں مل جائے گی یا پنشن کے نام سے تاحیات ایک معقول رقم انہیں ملتی رہے گی جس سے ان کا بڑھاپا سکون کے ساتھ گزر جائے گا۔اس کے برعکس دینی مدارس وجامعات میں جو محترم اساتذہ کرام تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں وہ اپنے مستقبل کو لے کر بہت فکرمند ہوتے ہیں۔ملک اورملت کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینے والوں میں یہ فرق وامتیاز حددرجہ تکلیف دہ ہے،اس سلسلے میں ملک کو بھی سوچنا چاہیے اورملت کو بھی۔دینی مدارس کے تعلق سے جو منفی سوچ اس ملک میں بنی ہوئی ہے اور جواب کسی حد تک مستحکم ہوتی جارہی ہے ،اس کے ہوتے ہوئے مدارس کے اساتذہ کو سرکاری طور پر کوئی سہولت یا مدد حاصل ہوگی ،اس کا تصور بھی محال ہے۔کیاملت اس سلسلے میں کچھ کرسکتی ہے یاوہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں

نہیں،اس پر ہمیں ضرور سوچنا چاہیے۔

بار بار یہ خیال دل ودماغ کو پریشان کرتا ہے کہ ہم سیکولر اور لادینی نظام کے مقابلے میں کسی دینی نظام کو کیسے کامیاب بنا سکتے ہیں اور کیسے کسی شخص سے کہہ سکتے ہیں کہ اہل اسلام جو نظام چلاتے ہیں،اس میں انسان کے بنیادی حقوق محفوظ ہیں۔جس استاذ نے مشقت کی زندگی گزاری ہے اور جس کے بچوں نے اپنے باپ کو چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے دوسروں سے قرض مانگتے دیکھا ہے اور گھر میں عسرت اور تنگی کی زندگی دیکھی ہے کیا ان بچوں کے دل میں اس نظام کے تئیں کوئی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے بلکہ وہ اس نظام سے بےزار ہو جائیں گے اور باپ کو دنیا کا سب سے زیادہ ناکام انسان سمجھیں گے۔ایک طرف دینی مدارس وجامعات کے اساتذہ کی تصویر یہ ہے لیکن دوسری طرف ان کی انتظامیہ یا صدر اور ناظم (باستثنائے بعض) کی تصویر دوسری ہے۔ان کے پاس زندگی کی ساری آسائشیں ہیں۔گھروں میں ان کی خواتین بیش قیمت لباس زیب تن کرتی ہیں،زیورات سے لدی رہتی ہیں، پورا گھر خوشبو سے مہکتا رہتا ہے اور کھانے پینے کی اشیا کی فراوانی ہر وقت ان کے دسترخوان پر ہوتی ہے۔اس قبیلے کی اکثریت اپنے بچوں کو ان کے اپنے مدارس وجامعات میں تعلیم نہیں دلاتی بلکہ ان کے بچے عصری تعلیمی اداروں میں بھاری فیس ادا کر کے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔حیرت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انتظامیہ کی خاصی بڑی تعداد کے پاس کوئی خاص ذریعہ آمدنی نہیں ہے لیکن ان کے اخراجات کم ہونے کا نام نہیں لیتے۔بلکہ ہر دو تین سال بعد گراں قیمت نئی گاڑیاں دروازے پر جھومتے ہاتھی کی طرح نظر آتی ہیں۔

ممکن ہے بعض حضرات پوری دردمندی کے ساتھ یہ بات کہیں کہ سرکاری اور پرائیویٹ نظام میں یہ فرق تو رہے گا ہی۔مدارس کے پاس اتنی رقم کہاں ہے کہ وہ اپنے بیمار اساتذہ کا علاج کرا سکیں یا خدمات سے سبک دوش کیے جانے کے بعد انہیں کوئی پنشن جاری کر سکیں۔جن حالات میں اس ملک میں دینی مدارس اپنا کام کر رہے ہیں،اس میں یہی کیا کم ہے کہ وہ طلبہ کے قیام وطعام اور اساتذہ کے مشاہروں کا انتظام کر لیتے ہیں۔اس کے لیے مدارس کی انتظامیہ شب وروز محنت کرتی ہے

اورلوگوں سے ان کی زکوۃ ،صدقات اور عطیات جمع کر کے کسی نہ کسی طرح اس نظام کو قائم رکھنے میں کامیاب ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مدارس کا نظام چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ملت کو مدارس کی انتظامیہ کی ان خدمات واحسانات کا اعتراف ہے۔لیکن اس سے کہاں یہ لازم آتا ہے کہ اسی نظام سے ایک ایسی چیز کو نہ جوڑا جائے جو انسان کے بنیادی حقوق سے تعلق رکھتی ہے۔کیا اسلام اتنا سنگ دل ہوسکتا ہے کہ ایک استاذ کی جوانی وتوانائی کا ایک ایک قطرہ کشید کر لینے کے بعد اسے بڑھاپے میں بے یارو مددگار چھوڑ دے یا اس کی بیماری میں اسے سہارا نہ دے۔جس استاذ نے ملت کی دو تین نسلوں کی تربیت کی ہے، جن کے دلوں میں اپنے لیے احترام پیدا کیا ہے، اب ضعیفی اور بیماری میں سماج کے سامنے اپنی عزت نفس اور خودداری کو نیلام کر دے۔پنشن جاری کرنے یا کسی ہنگامی صورت حال میں کوئی خاص مدد بہم پہنچانے کا نظام پوری دنیا میں مروج ہے۔انسانی حقوق کے تعلق سے دنیا اب اس قدر آگے جا چکی ہے کہ کارخانوں کے مزدوروں کے بھی حقوق متعین ہیں۔کسی ناگہانی کے موقع پر ان کو یا ان کے بچوں کو سہارا ملتا ہے۔ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم ابھی تک انسان کے بنیادی حقوق کا نہ ادراک کر سکے ہیں اور نہ اپنے دینی سماج کو اس کی تفہیم کرا سکے ہیں۔ذیل میں چند ایک تجاویز ملت ، مدارس کی انتظامیہ اور فیض یافتگان مدارس کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کی جارہی ہے، امید ہے کہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا اور اہل قلم سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں آپ اپنی تجاویز اور مشوروں سے بھی نوازیں تا کہ ایک مسئلے کی سنگینی کا احساس پیدا کیا جا سکے اور بچوں کے اساتذہ کرام کی عزت و ناموس کی حفاظت ہو سکے۔

(1) مدارس کے نظام میں پنشن کی اسکیم پر غور کیا جائے۔بعض مدارس نے اپنے یہاں یہ اسکیم نافذ کر رکھی ہے، ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ہماری حکومت پنشن کی اسکیم کو کیسے چلاتی ہے ،اس کے ماہرین سے مشورہ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔اساتذہ کرام کو جو مشاہرہ دیا جاتا ہے ،اسی سے کچھ رقم ماہ بہ ماہ مختص کی جائے اور اس کا الگ حساب کتاب رکھا جائے۔کسی استاذ کو کوئی ہنگامی ضرورت پیش آئے تو اس کی مدد کی جائے۔اس نظام کو شفافیت کے ساتھ قائم کیا جائے۔انتظامیہ

اساتذہ کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہ کرے اور نہ عزیز واقارب کو بغیر کسی وجہ کے ترجیح دینے کی مذموم کوشش کی جائے۔اسلام عدل وقسط،مساوات اورانصاف کا علم بردار مذہب ہے،اگراس کے اپنے گھر میں اس کا یہ امتیاز نمایاں نہیں ہوتا تو پھر کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زبان سے اسلام کا نام لیا جائے ،اللہ کا دین ایسے دوہرے کردار کے حاملین کا محتاج نہیں ہے۔ایک چھوٹے سے دینی نظام میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی دھجیاں بکھیر کر جو تعفن ہم پھیلاتے ہیں ،اس سے ہمارا پورا سماج بیمار ہوجائے گا۔پیٹ بھرنے کے لیے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے،کسی پر پابندی نہیں ہے لیکن اسلام کے نام پر یہ اجازت کسی کو ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ وہ امانت میں خیانت کرکے ایک بابرکت اور پاکیزہ نظام کو اپنی خواہشات کا آلہ کار بنالے۔

2 ملت کے سرمایہ داراور اصحاب ثروت سے درخواست کی جائے کہ وہ اس اہم اور سنگین مسئلے کو سمجھیں۔مدارس کو تعاون دیتے وقت الگ سے ایک خاص رقم اس اسکیم کو قائم کرنے کے لیے دیں اور انتظامیہ کو مجبور کریں کہ وہ اپنے ضعیف العمر اور بیمار اساتذہ کے لیے اس کا انتظام کرے۔صرف یہی نہیں بلکہ یہ دیکھیں کہ اس اسکیم پر عمل کیا جارہا ہے یا نہیں۔رفاہی ادارے اور عطیہ دہندگان کی ہی سستی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے مدارس کے نظام میں بے اعتدالی کو راہ مل گئی ہے۔یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی اکثریت غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی ہے۔محرومیوں کا شکار یہ بچے جب میدان عمل میں اترتے ہیں تو خوداعتمادی اور کسی حد تک جرأت اور ہمت سے تہی دست ہوتے ہیں۔مجبوری میں بہت کچھ سہتے اور برداشت کرتے ہیں۔لیکن کیا ایسا استاذ اپنے طلبہ میں وہ کردار پیدا کر سکے گا جو سماج کی دینی قیادت کے لیے مطلوب ہے۔اگر ملت کے اصحاب ثروت بیدار ہوجائیں تو اس عذاب سے اساتذہ کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔رفاہی ادارے ملت کا عظیم سرمایہ ہیں اگر ملت نے ان پر اعتماد کیا ہے تو ان کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اس اعتماد کو مجروح نہ ہونے دیں۔بعض رفاہی ادارے جدید تقاضوں کے پیش نظر کمپیوٹر،سلائی مشین اور دست کاری کے دوسرے آلات خوش دلی سے فراہم کرتے ہیں لیکن پھر پلٹ کر نہیں دیکھتے کہ ان کا کیا ہورہا ہے۔کسی

مہمان، عطیہ دہندہ یا رفاہی ادارے کے سربراہ کی آمد پر مہینوں سے بند پڑے کمپیوٹر لیب میں جو جھاڑ پونچھ کی جاتی ہے، مشینوں پر جمی دھول کی تہہ صاف کی جاتی ہے اور وقتی طور پر جو چمک دھمک اور سیکھنے سکھانے کا تسلسل دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ ملت کی امانت میں بدترین خیانت ہے۔ اس سے ماہرین علوم شریعت کو تو بہرحال دور رہنا چاہیے۔ یہ ملت اور اس کے بچوں کے ساتھ انصاف نہیں ہے کہ کسی رفاہی ادارے سے انجینئرنگ کالج کی عالی شان عمارت تعمیر کرالی جائے اور پھر اسے چمگادڑوں کا مسکن بنا کر چھوڑ دیا جائے یا کسانوں کو اجازت دے دی جائے کہ تم اس میں اپنے جانوروں کا بھوسہ بھر لیا کرو۔ اللہ کی کتاب کے نام پر اکیڈمی کی بھاری بھرکم عمارت بنادی جائے اور پھر اسے سیلن کھانے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔ اگر آنکھیں سلامت ہیں، بصیرت زندہ ہے، ضمیر مرا نہیں ہے تو ان عجائبات کا مشاہدہ ہر کوئی کرسکتا ہے۔ آخر کب تک اپنے اندر کی آواز کو ہم دباتے رہیں گے، گھٹن بڑھ گئی تو دم نکل جائے گا۔ ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی تاریخ کے بہت نازک دور سے گزر رہی ہے، ہمارا دینی نظام ہی اس کا واحد سہارا ہے، جو اس کی تہذیب، ثقافت، مذہب اور تشخص کی حفاظت کرسکتا ہے۔ اس نظام کو جواب دہ اور ذمہ دار بنائیں۔ اس تحریر کو تنقید نہ سمجھیں لکھنے والا بھی اسی نظام کا حصہ ہے، ایک پریشان دل کی یہ آواز ہے، خدارا اسے سنیں اور محسوس کریں۔

③ ایک استاذ اپنی تدریس کے ماہ وسال میں سیکڑوں طلبہ کی تعلیم وتربیت کرتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ میدان عمل میں اتر کر اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ استاذ بوڑھا ہوتا ہے اس کے تلامذہ بالعموم جوان ہوتے ہیں۔ استاذ کی کارکردگی سمٹتی جارہی ہوتی ہے اور اس کے شاگردوں کی کارکردگی وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہوتی ہے، شاگردوں میں بھی سب ایک جیسے نہیں ہوتے، کوئی امیر بنتا ہے اور کوئی بہت زیادہ امیر، کوئی تجارت میں لاکھوں کماتا ہے تو کسی کو زیادہ آمدنی والی ملازمت مل جاتی ہے۔ کیا ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ایک استاذ کے شاگردوں کی اپنے محترم استاذ کے تعلق سے کوئی ذمہ داری نہیں، جس استاذ نے علم دیا، اپنی زندگی کے تجربات سے فیض یاب کیا، لکھنا اور بولنا سکھایا، بھلے برے کی پہچان عطا کی، دنیا میں سر اٹھا کر جینے کا

سلیقہ سکھایا، اگر آج وہ بیمار ہے، اگر اس کی ضعیفی نے اسے بستر پر ڈال دیا ہے، اس کے اعضائے جسم اس قابل نہیں رہ گئے کہ اپنی ضروریات پوری کر سکے تو کیا اس کے شاگردوں کی ذمہ داری نہیں ہے کہ اس کی اس مشکل میں خبر گیری کریں۔ یہ کیسی قساوت قلبی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا ہمارے پاس سب کچھ ہے اور ہم ایک بیمار استاذ کا علاج نہیں کرا سکتے، اس کی ضعیفی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اسلام کی عمومی تعلیم تو تمام کمزور طبقات کے لیے یہ ہے کہ ان کی مدد کی جائے تو بھلا ہمارا استاذ جو آج مشکلات سے دوچار ہے اس کا حق دار کیوں نہیں ہے؟۔ استاذ کی خودداری اور عزت نفس اسے اجازت نہیں دیتی کہ کسی شاگرد کے سامنے دست سوال دراز کرے اور نہ وہ خود کو اس قابل پاتا ہے کہ اس کے سامنے اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ جائے لیکن کیا ایک شاگرد کو اتنی سمجھ نہیں ہے کہ استاذ کن حالات سے دوچار ہے، ان کا چہرہ کیا کہہ رہا ہے، ان کی آواز اور اعضاء کی کپکپاہٹ کیا کہانی سنا رہی ہے۔ شاگروں کی طرف سے اپنے محترم اساتذہ کی خبر گیری اور ان کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا سلسلہ رہنا چاہیے۔ مجھے ذاتی طور پر ایسے بعض خوش نصیب اور سعادت مند ساتھیوں کا علم ہے جو ہمیشہ اپنے اساتذہ کا خیال رکھتے ہیں اور ان سے جو بھی ممکن ہو سکتا ہے وہ اپنی استطاعت کے مطابق کرتے ہیں۔

لیکن یہاں کیا یہ ممکن ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ کے لیے کچھ ایسا انتظام کر سکیں کہ انہیں پنشن بھی ملے اور ناگہانی مصیبتوں میں ان کی مدد بھی ہو سکے۔ اوپر جس اسکیم کا ذکر ہے اس میں شاگردوں کی بھی شمولیت ہو سکتی ہے۔ مدارس کی طرف سے قائم کیے جانے والے فنڈ میں ہر شاگرد اپنے اساتذہ کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ماہانہ یا سالانہ تعاون کرے۔ دانہ دانہ مل کر ذخیرہ اور قطرہ قطرہ مل کر سمندر ہوتا ہے۔ ہر شاگرد اپنے استاذ کے لیے اگر ماہانہ صرف دس روپے مدرسے کے پنشن اسکیم میں ڈال دے تو ایک بڑی رقم ہمارے پاس جمع ہو جائے گی اور ہم دنیا پر یہ ثابت کر سکیں گے کہ آج بھی ہمارا دینی نظام انسانیت کے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے۔

4 اسلام نے سودی نظام کے مقابلے میں اپنا ایک ایسا معاشی نظام ترتیب دیا تھا، جس میں ضرورت مندوں کو آسانی سے قرض حسنہ مل جاتا تھا اور مضاربت کا طریقہ رائج کیا تھا جس میں دولت گردش

کرتی رہتی تھی وہ منجمد نہیں ہوتی تھی۔ اگر فرد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو کیا تجارتی فورم بھی نہیں کھولے جا سکتے جس میں مضاربت کے شرعی اصولوں کی روشنی میں بینکوں میں جمع رقوم استعمال کی جائیں، بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو سودی نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتے لیکن ان کے سامنے کوئی بدل نہیں ہے، مدارس کے پاس جو روپے جمع ہوتے ہیں وہ بھی منجمد رہتے ہیں۔ اگر مضاربت کا تجربہ چھوٹی سطح پر کیا جائے تو اس سے فائدہ ہوسکتا ہے۔ اسی میں اساتذہ کی تنخواہوں سے ماہ بہ ماہ وضع کی جانے والی رقم ،پنشن اسکیم میں اصحاب ثروت سے ملنے والا تعاون اور شاگردوں کی طرف سے ملنے والی امداد بھی جمع کی جا سکتی ہے اور اس کو بار آور بنایا جا سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں مضاربت کے کئی ایک تجربے کیے گئے اور وہ ناکام بھی ہو گئے، کتنے لوگوں کی رقمیں ڈوب گئیں اور وہ خالی ہاتھ ہو گئے، اس تعلق سے کئی ایک کمپنیوں کے تجربات ہمارے سامنے ہیں لیکن مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان کمپنیوں نے لوگوں کو لبھانے کے لیے غیر فطری کام کیے اور آمدنی سے زیادہ منافع دینے کی کوشش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وقت سے پہلے یہ کمپنیاں ٹوٹ گئیں۔ تجارت کے فن سے واقف لوگ ہی اس قسم کا کاروبار چلا سکتے ہیں اور کامرس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے ہی اسے دیکھ سکتے ہیں ۔ مجھے اس تجویز پر اصرار نہیں ہے، ویسے اسلام نے مضاربت کا جو راستہ کھولا تھا ہم نے عملاً اسے بند کر رکھا ہے۔ امام بخاری اور امام ابن تیمیہ رحمھما اللہ کی سیرت سے یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے کوئی تجارت کی تھی یا کسی کی ملازمت قبول کی تھی۔ گھر میں جو سرمایہ موجود تھا وہ مضاربت ہی پر لگایا ہوا تھا اور اسی کی آمدنی سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ آج کوئی استاذ کچھ روپے اپنے اخراجات سے اگر بچا تا بھی ہے تو اس کے بڑھنے کا کوئی واضح اور سود سے محفوظ راستہ نہیں ہے۔ اگر مضاربت کا مسئلہ کسی طرح ہم حل کر سکیں تو یہ ملت پر احسان ہوگا اور شاید ہم مدارس و جامعات کے ضعیف العمر اساتذہ کو پنشن دینے اور بیمار اساتذہ کا علاج کرانے کے قابل ہوسکیں، عملی اقدام سے پہلے ذہن سازی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر ہمیں کسی چیز کی فکر لاحق ہو جائے تو اس کی کوئی نہ کوئی عملی شکل ضرور متعین ہو جائے گی۔ امید ہے کہ اہل فکر و دانش وقت کے اس اہم سنگین مسئلے پر غور کریں گے اور اپنے خیالات و تجاویز سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے۔

بہ شکریہ نوائے اسلام دہلی، اکتوبر 2015ء

ٹریفک قوانین کی پاسداری شرعی اصولوں کی روشنی میں

ترجمہ وتلخیص: حافظ احمد [1]

زیرِ نظر تحریر دراصل عرب کے عالم دین ''فضل اللہ ممتاز'' کے تحقیقی مقالہ "الأحكام الفقهية المتعلقة بحوادث السير" کا ترجمہ وتلخیص ہے۔ جس میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق حکومتی قوانین کی پاسداری اور اس حوالے سے جاری کردہ قوانین کا شرعی رو سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ہمارے فاضل دوست حافظ احمد نے اس کے اہم مباحث کو بغرض افادہ قارئین اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ اور جس مقام پر وضاحت واضافے کی ضرورت محسوس کی گئی وہ بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس تحریر سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ادارہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔۔۔۔۔۔ أما بعد!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان نعمتوں میں سے ایک نعمت سواری ہے۔ پرانے وقتوں میں انسان سواری کے لئے جانوروں کا استعمال کرتے تھے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں انسان نے دیگر شعبوں میں ترقی کی وہاں اس نے سفری صعوبتوں کو کم کرنے کے لئے گاڑی کی ایجاد کی۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، ریسرچ اسکالر کلیۃ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

گاڑی کی ایجاد کے بعد انسان کو ایک ایسے نظام کی ضرورت پیش آئی جو ٹریفک کو رواں رکھنے میں مدد فراہم کرے اور نقصان کی صورت میں ضامن کا تعین کرے۔ چنانچہ انسان نے نظام ٹریفک متعارف کروایا۔ ذیل میں ہم ٹریفک کے نظام کی اہمیت وافادیت پر بحث کریں گے نیز ہم اس نظام کو شریعت کے اصولوں پر بھی پرکھیں گے کہ کیا مسلمان شرعا اس نظام کا پابند ہے یا نہیں!؟ اور اگر ہے تو کس حد تک؟

نظام ٹریفک وقت کی اہم ضرورت

دور حاضر میں نقل وحمل کے لئے گاڑی کا استعمال ناگزیر ہے۔ لیکن افسوس کچھ لوگ اس کا غلط استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بسنے والے دیگر افراد کی زندگی میں حرج واقع ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک ایسا نظام بنایا جائے جو ٹریفک کو منظم کرے اور اس حوالے سے ہونے والی کسی بھی قانونی مخالفت پر گرفت کی جاسکے۔ چونکہ گاڑی ایک مشین ہے جو مکمل طور پر چلانے والے کے تابع ہوتی ہے۔ اس لئے تمام تر ذمہ داری ڈرائیور پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مشین کا صحیح استعمال کرے۔ کیونکہ اس کے غلط استعمال میں انسانی جان کے ضیاع کا خدشہ بھی ہے اس لئے بھی ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو انسانی جان کے ضیاع کے اس خدشہ کو کم سے کم کردے۔ یہ چونکہ نظام حکومت کی طرف سے عوام پر نافذ کیا جاتا ہے اس لئے اس نظام کو بناتے وقت مصلحت عامہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور حاکمِ وقت کے واجبات میں سے ایک واجب یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رعایا کی جان ومال کی حفاظت کا خیال رکھے۔

حکومت کے نافذ کردہ نظام میں حاکم کی اطاعت

حاکم کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ حاکم اپنی حکومت چلانے کے لئے کچھ قوانین کا اجراء کرتا ہے ان میں سے ایک نظامِ ٹریفک بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء: 95)

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

ابن العربی رحمہ اللہ اطاعت کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ "اطاعت کا معنی ہے کہ جو حکم دیا جائے اس پر عمل کیا جائے اور مذکورہ آیت کی تفسیر میں اولی الامر سے مراد علماء اور حکام ہیں"۔[1]

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نظامِ ٹریفک پر عملدرآمد کرنا حاکم کی اطاعت میں سے ہے۔[2] حاکم نے یہ نظام کسی ایک فرد کی مصلحت کے لئے نہیں بلکہ مفاد عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا ہے۔ اور اس نظام پر عمل کرنے سے جان و مال دونوں محفوظ رہتے ہیں جبکہ اس کی مخالفت سے نا صرف لوگوں کی جان کو خطرہ ہوسکتا ہے بلکہ بسااوقات انسان خود اپنی جان کی ہلاکت کا باعث بھی بنتا ہے جو کہ حرام ہے۔

اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی نے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا ہے کہ "ایسے قوانین جو کہ شرعی احکامات سے متصادم نہ ہوں ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل مصالح مرسلہ ہیں۔ چونکہ یہ قوانین حاکم کی طرف سے نافذ کیے جاتے ہیں اس لئے ان قوانین کے نفاذ میں مصالح عامہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ان کی مخالفت کی صورت میں جرمانہ عائد کیا جاتا ہے کیونکہ مخالفت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اور یہ حاکم کے واجبات میں سے ہے کہ وہ اپنی رعایا کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنائے"۔[3]

ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہونے والے حادثات

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نظامِ ٹریفک کی خلاف ورزی سے بے شمار دردناک حادثات ہوتے ہیں جن میں لوگوں کی جان اور مال ضائع ہوجاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان خلاف ورزیوں کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

حدرفتار سے تجاوز:

کوئی ڈرائیور خود اپنے لئے حدرفتار مقرر کرے یہ ممکن نہیں کیونکہ یہ چیز راستے کی وسعت اور تنگی پر

---

[1] احکام القرآن لابن العربی1/451 ، احکام القرآن للجصاص 2/ 264، فتح الباري 13/120

[2] الفقه الاسلامي و ادلته6/ر704

[2] مجله مجمع الفقه الاسلامي شماره نمبر 8 ج 2 ص173اور 273

انحصار کرتی ہے بلکہ ہر گاڑی کی حد رفتار مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو حد رفتار حکومت کی طرف سے مقرر کی جائے اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اسی میں عوام کا فائدہ ہے جبکہ حد رفتار سے تجاوز کی صورت میں انسان اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے لئے بھی خطرے کا باعث بنتا ہے۔ اور پھر ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ: ''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے''۔ (1)

ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ حاکم کی اطاعت کرنا واجب ہے تو رفتار کے معاملہ میں بھی یہی قاعدہ ملحوظِ خاطر رہے گا۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جلد بازی شیطان سے ہے کیونکہ یہ انسان میں طیش پیدا کرتی ہے اور اسکو وقار پر قائم رہنے سے روکتی ہے اور انسان کو ظلم پر اکساتی ہے اور برائی کو جنم دیتی ہے اور خیر سے روکتی ہے۔ اور عجلت دو مذموم چیزوں سے پیدا ہوتی ہے، غفلت اور وقت سے پہلے حصول کی خواہش کرنا۔ (2)

سرخ اشارے کی پابندی نہ کرنا

ہر گاڑی چلانے والا ٹریفک کے اشاروں سے واقف ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ سرخ اشارے سے کیا مراد ہے؟ اور سبز سے کیا مراد ہے؟۔ ان اشاروں پر عمل نہ کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اس میں حادثہ ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے سرخ اشارے کو کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے ٹریفک اشاروں کی بابت سوال ہوا تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:
ٹریفک اشاروں پر عمل نہ کرنا کسی طرح بھی روا نہیں۔ کیونکہ یہ اشارے حاکم کے قول کی منزلت پر ہیں

---

(1) امام بیہقی نے اسے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح الجامع'' 3011 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(2) فیض القدیر للمناوی ج 3 ص 277

جیسا کہ حاکم کہے کہ رکو یا کہے کہ چلو اور بحیثیت مسلمان ہم پر حاکم کا ہر (جائز) حکم ماننا فرض ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے کہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ (النساء59)[1]

اسکے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جن کی طرف محض اشارہ کردینا ہی کافی ہوگا مثلاً نیند کا آجانا، گاڑی کو وقتاً فوقتاً چیک نہ کرنا وغیرہ مگران کی وجہ سے حادثات کا تناسب بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان امور پر تنبیہ ہونی چاہیے۔

ٹریفک چالان:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حاکم کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ حاکم کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم نہ کرے اور ان کے جان و مال کا تحفظ کرے۔ اسی لیے جب کوئی شخص ٹریفک قوانین کا احترام نہیں کرتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے کیونکہ اس ایک شخص کی خلاف ورزی کرنے سے دوسرے لوگوں کی جان اور مال خطرے میں پڑ جاتے ہیں اس لئے حاکم کی طرف سے جرمانہ عائد کرنا جائز ہے کیونکہ خلاف ورزی کرنے والا شخص معاشرے میں انتشار کا سبب بنتا ہے تو ایسا شخص سزا کا مستحق ہے اسی لئے سزا کے طور پر اس کو جرمانہ کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت میں اس کے لئے رحمت ہے تاکہ وہ شخص آئندہ ایسا کرنے سے باز رہے۔ لیکن سزا میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے۔

1. سزا دینے والے کے سامنے مصلحت عامہ ہونی چاہیے نا کہ ظلم اور مال حاصل کرنا۔
2. سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے۔
3. ٹریفک کانسٹیبل کو چاہیے کہ وہ تمام لوگوں میں برابری کرے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

”اللہ تعالی عدل اور بھلائی کا حکم دیتا ہے“ (النحل90)

---

[3] فتاوى و توجيهات في الاجازة والرحلات للشيخ ابن عثيمين ص80

سزا کی اقسام: سزا کی تقسیم دو طرح کی ہوتی ہے: ❶ جسمانی سزا ❷ اور مالی سزا۔

جسمانی سزا

جسمانی سزا جیسا کہ قید کی سزا، معینہ مدت کے لیے لائسنس ضبط کرنا، یا پھر معینہ مدت کے لیے گاڑی ضبط کرنا وغیرہ لیکن اس میں بھی اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ جس طرح کی مخالفت ہو سزا بھی اتنی ہی ہونی چاہیے۔

مالی سزا

مالی سزا پر علماء کا اختلاف ہے اکثر اہل علم کے نزدیک مالی سزا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وسیلہ ہے لوگوں کے مال پر ناحق قبضہ کرنے کا جبکہ بعض علماء کے نزدیک مالی سزا دینا جائز ہے لیکن اس کے لئے کچھ قواعد و ضوابط ہیں۔ اس مسئلے پر فقہاء کی دونوں رائے کو ہم تفصیلا ذکر کئے دیتے ہیں۔

پہلی رائے:

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ مالی جرمانہ ناجائز ہے۔ جیسا کہ امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فرماتے ہیں کہ ''سزا قید، سخت ڈانٹ ڈپٹ، اور زبانی سرزنش کی ہونی چاہیے نا کہ مالی جرمانہ کی صورت میں۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس پر تعلیقاً فرماتے ہیں کہ: مالی سزا مذہب میں نہیں۔ الفتح میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ حاکم کے لیے مالی سزا دینا جائز ہے۔ ظاہرا یہ روایت ضعیف لگتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مالی سزا میں ایک معین مدت کے لیے مال لینا ہے نا کہ وہ مال حاکم اپنے لیے یا بیت المال کے لیے لے کیونکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر سبب شرعی کسی دوسرے مسلمان کے مال پر قبضہ کرے''۔ [1]

احمد الصاوی المالکی فرماتے ہیں کہ: مالی سزا اجماعاً جائز نہیں ہے۔ [2]

امام العمرانی الشافعی مالی سزا کے قائل ہیں کہتے ہیں ''جرائم کے مرتکب فساق لوگ ہیں، ہاں اگر

---

[1] حاشية رد المحتار لابن عابدين على الدر المختار 61/4، البحر الرائق 68/5

[2] بلغة السالك 268/4، الدسوقي على الشرح الكبير 370/6

ان کے پاس مال نہیں ہے تو حاکم کو چاہیے کہ ان کو قید کردے اور اگر ان کے پاس مال ہے تو اس میں سے کتنا لینا چاہیے اس بارہ میں شافعی مذہب میں دو رائے ہیں۔

قدیم مذہب میں:

ان سے زکاۃ اور ان کے مال کا نصف سزا کے طور پر لیا جائے گا۔ دلیل کے طور پر وہ بھز بن حکیم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو ہم لازما اس سے لیں گے اور اسکا نصف مال بھی''۔ [1]

جدید مذہب میں:

ان سے صرف زکاۃ لی جائے گی اور اسکے علاوہ کچھ نہیں لیا جائے گا۔ [2]
ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں کہ سزا قید، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ ہونی چاہیے کیونکہ شریعت میں کوئی مالی سزا نہیں۔ [3]

ان تمام اصحاب کے دلائل درجِ ذیل ہیں

1. نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''مال میں سوائے زکوٰۃ کے کوئی اور حق نہیں''۔ [4]
2. مالی سزا ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر اللہ تعالی نے اس کو منسوخ فرما دیا۔
3. مذاہب اربعہ میں سے بعض فقہاء کا مذہب۔ [5]

---

[1] ابوداؤد:1575، مسند احمد 2/4

[2] المجموع298/5، البيان للامام العمراني137/3

[3] المغنى لابن قدامة :526/12

[4] ابن ماجه 1789، ابن حجر اور امام نووی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، فيض القدير374:5

[5] فتح القدير 113/5، تبصرة الحكام لابن فرحون المالكى 6221/2، حاشية الشبراملسى على نهاية المحتاج 22/8، كشاف القناع 159/6، المدخل الفقهي العام لمصطفى الزرقاء627/2، التشريع الجنائى الاسلامى لعبد القادر العودة 705/1

دوسری رائے: مالی سزا کا دینا جائز ہے

اس مسئلہ میں صحیح رائے یہ ہے کہ مالی سزا کا دینا جائز ہے لیکن ان قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو سابقہ سطور میں بیان کئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

دلائل ذیل میں ملاحظہ کریں:

نمبر1: مالی عقوبت کی مثالیں سلف سے کثرت سے ملتی ہیں۔ جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ الطرق الحكمية میں ذکر کرتے ہیں۔(1)۔ اور ابن الاخوۃ معالم القرية میں بھی مالی سزا کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔(2)

اسکے علاوہ ابن فرحون المالکی بھی تبصرة الحكام میں مالی سزا کی مثال پیش کرتے ہیں۔(3)

نمبر2: جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ دو وجہ سے ضعیف ہے۔

أ: سند کے اعتبار اس روایت میں ''میمون الاعور'' نامی راوی ضعیف ہے، جیسا کہ ابن الحجر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(4)

ب: امام عراقی نے ان کی اس روایت کو متن حدیث میں اضطراب کی مثال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ لیکن سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔(5)

نمبر3: جمہور اہل علم نے مالی سزا پر جن تحفظات کا اظہار کیا ہے اگر سابق الذکر قواعد وضوابط لاگو کردئے جائیں تو یہ خطرات بھی زائل ہو جائیں گے۔ اس لئے امام غزالی فرماتے ہیں کہ'' حاکم اگر مصلحت دیکھے تو ایسا کرسکتا ہے۔(6)

---

(6) الطرق الحكميه ص316

(1) معالم القرية ص 287

(2) تبصرة الحكام 221/2

(3) التلخيص الحبير160/2

(4) تدريب الراوى شرح تقريب 266/1

(5) معالم القرية فى احكام الحسبة لابن الاخوة نقلا عن الغزالى ص 288

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴾(الاسراء 70)

''اور بلاشبہ ہم نے عزت بخشی بنی آدم کو اور ان کو طرح طرح کی سواریوں سے نوازا خشکی میں بھی اور تری میں بھی اور ہم نے ان کو روزی کا سامان مہیا کیا طرح طرح کی پاکیزہ چیزوں سے اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر طرح طرح کی فضیلت بخشی''۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے بنی آدم کی تکریم کیلئے شریعت میں احکامات نازل فرمائے جو کہ اس کی زندگی اور مال کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ یہ وسیلہ ہیں عزت کی زندگی گذارنے کا۔ اور اس کی جان اور مال پر کسی بھی طرح کے ظلم کو جرم قرار دیا اور اسکی سزا مقرر فرمائی آخرت میں جبکہ دنیا میں اس پر ہرجانہ اور سزا متعین فرمائی۔ دین اسلام میں کوئی مال اور جان نظر انداز نہیں (یعنی بغیر دیت اور عوض کے کسی کی جان و مال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا)۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾(النساء 93)

''اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا﴾(النساء 92)

''کسی مومن کو دوسرے مومن کو قتل کرنا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان کی گردن آزاد کرانا لازم اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں۔''

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"ان دماؤكم و اموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا"[1]

''تمہارے خون اور مال تم پر ایسے حرام ہیں جیسا کہ یہ دن (یعنی حج کا دن)۔''

جان اور مال کی حفاظت ان پانچ بنیادی ضروریات میں سے ہے جن کی اسلام نے ہر حال میں حفاظت کی ہے۔اور انہیں ہر طرح کے خطرے سے محفوظ کیا ہے۔[2]

اور انسانی نفس کو پہنچنے والے نقصانات کے ازالے کے لئے دیت مقرر فرمائی ہے۔ جبکہ مالی نقصانات کے ازالے کے لئے ہرجانہ مقرر فرما کر نفس اور مال کی حفاظت فرمائی۔ پس دوسروں کو جانی اور مالی نقصان پہنچانا حرام ہے اور اس کی حرمت قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔

ضمانت اور ضامن کے لئے مقرر کردہ شرعی قواعد

۱: نقصان کو روکنے اور اسکے ازالے کے لئے قواعد عامہ

۲: نقصان اور ضامن کے تعین لئے خصوصی قواعد

نقصان کو روکنے اور اسکے ازالے کے لیے قواعد عامہ:

قاعدہ نمبر 1: لاضرر ولاضرار: (نہ کسی کو ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ بدلے میں)

یہ قاعدہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نقصان کے مقابلہ میں نقصان کرنا جائز نہیں سوائے حدود وقصاص کے۔اور جس کا نقصان ہوا ہے وہ اگر چاہے تو معاف کر دے یا نقصان کا ہرجانہ وصول کر لے۔ پس جس کی گاڑی کو ٹکر لگی ہے اس کے مالک کو چاہیے کہ وہ یا تو ٹکر مارنے والی گاڑی کے مالک سے نقصان کا ہرجانہ لے، یا اسے معاف کر دے۔جس گاڑی کو ٹکر لگی ہے اس کے مالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی گاڑی سے دوسرے فریق کی گاڑی کو ٹکر مار کر بدلہ لے کیونکہ شریعت میں جان بوجھ کر نقصان نہ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔[3]

---

[1] بخاری 1654، مسلم2941، ابو داؤد 1905،ابن ماجه 3074

[2] الموافقات للشاطبی10/2، اصول الفقه لأبي زهرة 367

[3] شرح الزرقانی علی المؤطا 40/4 ،شرح القواعد الفقهية لاحمد الزرقا ص 113

قاعدہ نمبر 2: الضرر یزال (نقصان کا ازالہ کیا جائے گا)

حقوقِ خاصہ کے باب میں اس قاعدہ کی تطبیق ایسے کی جا سکتی ہے کہ جس گاڑی والے نے اپنی گاڑی دوسرے کی گاڑی سے ٹکرائی ہے وہ اس دوسرے متاثرہ شخص کے نقصان کا ازالہ کرے گا۔

قاعدہ نمبر 3: المرور فی الطریق مباح بشرط السلامة فیما یمکن الاحتراز عنه

یہ قاعدہ فقہاء کے نزدیک متفق ہے۔ اور اس قاعدے کے تحت سڑک سے استفادہ حاصل کرنا ہر انسان کا حق ہے چاہے وہ پیدل ہو یا سواری پر ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ دوسروں کے لیے ضرر کا باعث نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اس شرط کی مخالفت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اور اسکے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار بھی وہی شخص ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إیاکم والجلوس بالطرقات فقالوا یا رسول اللّٰہ ما لنا من مجالسنا بد نتحدث فیھا قال فإذا أبیتم إلا المجلس فأعطوا الطریق حقه . قالوا وما حق الطریق یا رسول اللّٰہ قال غض البصر وکف الأذی ورد السلام والأمر بالمعروف والنھي عن المنکر"[1]

"راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ یہ سن کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہے جہاں ہم باتیں کرتے ہیں۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جب تمہارے پاس مجبوری کی بناء پر بیٹھنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں تو پھر اس کا حق ادا کرو۔ یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ راستے میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہو اور تمہیں ایسی جگہ بیٹھنا پڑے جو راستہ پر واقع ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راستے کا کیا حق ہے؟

---

[1] صحیح بخاری: 2333، صحیح مسلم: 5528

آپ نے فرمایا نگاہیں نیچی رکھنا۔(یعنی غیر محرم عورتوں وحرام چیزوں پر نظر نہ ڈالنا)، ایذا رسانی سے باز رہنا۔(یعنی راستہ تنگ کرنے یا کسی اور طرح سے گزرنے والوں کو ایذاء نہ پہنچانا)،سلام کا جواب دینا اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عام سڑک سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن دوسروں کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث نہ بنے۔

نقصان اور ضامن کے تعین لئے متعین کردہ چند فقہی قواعد

قاعدہ نمبر 1: المباشر ضامن وان لم یکن متعدیا

یہ قاعدہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ قاعدہ ہے۔مجلة الأحکام العدلیة میں یہ قاعدہ "المباشر ضامن وان لم یتعمد" یعنی نقصان کرنے والا ضامن ہے اگرچہ اس نے وہ نقصان جان بوجھ کر نہ بھی کیا ہو۔ کے الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ اور یہاں تعمد سے مراد زیادتی لی جائے گی کیونکہ مالی نقصان ہر حالت میں ادا کرنا ہوتا ہے چاہے وہ قصداً ہو یا بلا قصد۔فرق صرف اتنا ہے کہ قصداً نقصان کی صورت میں کرنے والا گناہ کا مستحق بھی ہوگا۔اسی لیے چھوٹے بچے اور پاگل، دیوانے کے ہاتھوں ہونے والے نقصان پر ان پر گناہ نہیں لیکن پھر بھی ان کے سر پرست سے نقصان کا معاوضہ لیا جاتا ہے کیونکہ اسلام کسی بھی نقصان کو نظر انداز نہیں کرتا۔[1]

اسی طرح گاڑی سے ٹکر مارنے والا ہر قسم کے نقصان کا ضامن ہوگا چاہے وہ نقصان قصداً ہو یا بلا قصد بس فرق صرف اتنا ہے کہ قصد کی صورت میں وہ گناہ گار ہوگا۔اور بلا قصد والے پر صرف نقصان کا ازالہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن الله تجاوز لأمتي الخطأ والنسیان، وما استکرهوا علیه"[2]

” اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی (کروائے گئے کام) معاف کر

---

[1] النهاية في غريب الحديث، 136/3

[2] سنن ابن ماجه، 2044، البيهقي، 356/7

دیئے ہیں"۔

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں ناسی (بھول جانے والے) اور مخطی (غلطی کرنے والے) پر گناہ اس لیے نہیں کہ ان کی نیت نقصان پہنچانے کی نہیں تھی"۔[1]

ابن غانم البغدادی فرماتے ہیں کہ "نقصان کرنے والا ضامن ہوگا چاہے وہ بلا قصد ہی نقصان کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو"۔[2]

نقصان کرنے والے کا ضامن ہونے میں عمد کی شرط ہونا لازم نہیں چاہے اس کا عمل اصلاً ممنوع ہو یا وہ حکومت کی طرف سے ممنوع قرار دیا گیا ہو جیسا کہ تیز رفتاری یا سرخ اشارے پر گاڑی نہ روکنا وغیرہ۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مباشر (یعنی نقصان کرنے والا) ہر حال میں ضامن ہوگا تو یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مباشر کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ فقہاء نے مباشر کی تعریف یوں کی ہے کہ: "مباشر وہ شخص ہے جو نقصان میں براہ راست ملوث ہو"۔[3]

اور مباشر میں مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے مثلاً اگر کوئی نابالغ بچہ گاڑی چلا رہا ہو اور اس سے حادثہ ہو جائے تو ایسی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس بچہ پر عائد کی جائے گی۔ جیسا کی زھری اور قتادہ رحمہا اللہ نے فرمایا کہ:

" مضت السنة ان عمد الصبی والمجنون خطأ"۔[4]

"سلف میں یہ سنت جاری رہی ہے کہ بچے اور پاگل کا عمداً کام بھی غلطی اور خطا میں شمار ہوگا"۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کی حادثہ کی صورت میں جانچ پڑتال بہت احتیاط سے کرنی چاہیے تاکہ طرفین میں سے کسی پر بھی ظلم نہ ہو۔

---

[3] جامع العلوم والحکم ص456

[4] مجمع الضمانات لابن غانم 345/1

[1] غمز عیون البصائر للحموی ،شرح الاشباه والنظائر لابن نجیم466/1، حاشیة القلیوبی و عمیرة علی شرح المنهاج ،28/2 اور 98/4، المدخل الفقهی العام 1044/2

[2] مصنف عبد الرزاق ،18391

قاعدہ نمبر 2: اذا اجتمع المباشر والمتسبب یضاف الحکم الی المباشر:

یعنی اگر مباشر اور متسبب جمع ہو جائیں تو حکم مباشر پر ہوگا۔ یہاں مباشر اور متسبب کی تعریف کرنا ضروری ہے۔

مباشر: جس سے براہ راست نقصان ہوا ہو۔

متسبب: جس سے بلا واسطہ نقصان ہوا ہو۔

مثال: اگر ایک شخص نے کنواں کھودا اور اس کنویں میں کسی دوسرے شخص نے کسی کا جانور پھینک دیا تو اس صورت میں مباشر وہ ہوگا جس نے جانور پھینکا اور جس نے کنواں کھودا وہ شخص متسبب ہوا۔

دوسری مثال: ایک شخص نے چور کو کسی کے مال کہ بارہ میں بتایا اور چور نے وہ مال چوری کر لیا تو ایسی صورت میں ہاتھ صرف چور کا کاٹا جائے گا کیونکہ وہ مباشر ہے جبکہ راہ دکھانے والے کو تعزیراً سزا دی جائے گی کیونکہ وہ متسبب ہے۔

آخر میں چند اہم باتوں کو نکات کی صورت میں پیش کرتے ہیں

1. ٹریفک نظام کی پابندی ہر حال میں کرنی چاہیے، پابندی نہ کرنے کی صورت میں ایک تو حاکم کی اطاعت نہ کرنے کا گناہ بھی ہے اور دوسرا حادثے کی صورت میں جان و مال کا ضیاع بھی جو کہ شرعاً جائز نہیں۔
2. حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ مالی سزا بھی لاگو کر سکتا ہے اور جسمانی سزا بھی۔
3. اگر مباشر (براہ راست نقصان کرنے والا) اور متسبب (جو کسی وجہ سے واقعہ کا سبب بنا) جمع ہو جائیں تو حکم مباشر پر ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

احکام و مسائل

از فضیلۃ الشیخ محمد صالح المنجد حفظہ اللہ [1]

مسئلہ: زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں اہل علم کی تفصیلی آراء اور ان کے دلائل

سوال: میں نے آپ کی ویب سائٹ پر خواتین کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے سے متعلق متعدد فتاوی جات پڑھے ہیں، لیکن میں نے کچھ مشائخ سے سنا ہے کہ خواتین کے زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اس اختلاف کا کیا سبب ہے؟ اور اس بارے میں صحیح موقف کیا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب

اول:

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سونا اور چاندی سکوں کی شکل میں ہوں یا ڈلی کی شکل میں اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

لیکن سونے اور چاندی سے بنے ہوئے خواتین کے زیورات سے متعلق اختلاف ہے، کہ ان میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

---

[1] نگران اعلیٰ ویب سائٹ:www.islamqa.info

چنانچہ جمہور علمائے کرام کے ہاں زیورات کی شکل میں سونے چاندی کو استعمال کرنے پر یہ ایسے مال سے خارج ہوجاتے ہیں جن پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ کیونکہ زیورات میں اضافے کا امکان نہیں ہوتا۔

جبکہ احناف اس بات کے قائل ہیں کہ زیب و زینت کے لیے زیورات استعمال کرنا زکوٰۃ کے واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے، انہوں نے اپنے اس موقف کے لیے اصل کو دلیل بنایا ہے اور اسی طرح احادیث بھی ان کی تائید کرتی ہیں۔

دوم:

سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ سے متعلق علمائے کرام کے مابین اختلاف تین شرائط کو مدنظر رکھ کے سمجھنا چاہیے، جو کہ درج ذیل ہیں:

❶ ''زیور سونے یا چاندی سے بنا ہوا ہو''

چنانچہ اگر زیور کسی اور چیز سے بنا ہوا ہے تو اس میں بالاجماع زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اگر جواہرت، یاقوت وغیرہ کے زیور بنے ہوئے ہوں اور ان میں سونا یا چاندی استعمال نہ کیا گیا ہو تو بالاجماع اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی'' [1]

اسی طرح شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہیرے، جواہرات وغیرہ سے بنے ہوئے زیورات کی تجارت مقصود نہ ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے'' [2]

❷ ''شرعی طور پر زیور جائز ہو''

چنانچہ شرعی طور پر حرام زیور میں تمام علمائے کرام کے ہاں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیونکہ غیر شرعی زیور ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی ساقط نہیں ہوسکتی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کی رو سے یہ زیور ہی منع ہے، تو اس کا حکم استعمال میں نہ آنے والی چیز کا ہی ہوگا۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جس شخص کے پاس سونے یا چاندی سے بنی ہوئی کوئی حرام

---

[1] " الاستذکار" (153/3)

[2] " فتاوی ابن باز " (124/14)

چیز موجود ہو، مثال کے طور پر مرد اپنے لیے گلے کا کڑا بنا لے، یا سونے کی انگوٹھی پہنے، اسی طرح قرآن مجید کی آرائش کے لیے سونے کا استعمال کرے، قلمدان، دوات، چراغ وغیرہ بنائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ ایسی چیزیں بنا کر استعمال کرنے سے سونے کی اصلیت باقی رہے گی''[1]

اور امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حرام زیورات میں بالا جماع زکوٰۃ واجب ہوگی''[2]

اسی طرح شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ ''شرح الکافی'' میں کہتے ہیں: ''اسی طرح کوئی عورت سانپ کی شکل کے کڑے بنوائے تو یہ حرام ہے؛ کیونکہ [جانوروں کی شکل پر مشتمل] ایسے زیورات پہننا حرام ہے، یا اسی طرح شیر کی شکل کا ہار پہنے تو یہ بھی حرام ہے، اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، اسی طرح مرد سونے کی انگوٹھی بنوا کر پہنے تو نصاب پورا ہونے کی صورت میں اس میں بھی زکوٰۃ ہوگی''۔

اسی طرح "الموسوعة الفقهية " میں ہے کہ: ''تمام فقہائے کرام حرام طریقے سے زیر استعمال زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل ہیں، مثال کے طور پر مرد سونے کا زیور استعمال کرے''[3]۔

❸ ''زیور استعمال کے لیے تیار کیا گیا ہو''

چنانچہ ایسے زیور کے بارے میں ہی اختلاف ہے جو کہ انسان استعمال اور زینت کے لیے تیار کرواتا ہے۔ اور ایسا زیور جو استعمال اور زینت کے لیے تیار نہ کروایا جائے بلکہ تجارت، یا کرایہ پر دینے کے لیے یا پھر اپنی رقم محفوظ کرنے کے لیے تیار کیا جائے تو اس میں سب کے نزدیک زکوٰۃ ہوگی سب کا یہی ایک موقف ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ایسا زیور جو کرایہ پر دینے کے لیے یا ضرورت کے وقت بیچ کر استعمال کرنے کے لیے تیار کیا جائے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی، کیونکہ صرف اسی وقت زیور کی زکوٰۃ ساقط ہوتی ہے جب زیور کو استعمال کے لیے تیار کیا جائے، اور ذاتی استعمال کی صورت میں زیور سے منافع

---

[1] " الکافی " (405/1)

[2] "روضة الطالبين" (260/2)

[3] (113/18)

نہیں ملتا، چنانچہ ذاتی استعمال کے علاوہ کوئی بھی صورت ہوتو اسے اصل پر قائم رکھا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص زیور بناتا ہی اسی لیے ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے تو اسے بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی''[1]

اسی طرح "كشف القناع" میں ہے: ''مرد یا عورت کے لیے شرعی طور پر جائز سونے یا چاندی کے زیور میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، چاہے اس زیور کو ذاتی استعمال کے لیے تیار کیا جائے یا عاریۃً دینے کے لیے، اسی طرح اگر زیور بنا کر ذاتی استعمال میں نہ لائیں یا عاریۃً دینے کا موقع ہی نہ بنے تب بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی''[2]

سوم:

اہل علم کا ''سونے یا چاندی کے ذاتی استعمال کے لیے تیار شدہ جائز زیور'' کی زکوٰۃ کے بارے میں وسیع اختلاف ہے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ: ایسی کوئی صحیح صریح نص موجود نہیں ہے جس میں زکوٰۃ کے وجوب یا نفی کا ذکر ہو، چنانچہ جتنی بھی احادیث اس بارے میں موجود ہیں یا تو ان کے پایہ ثبوت تک پہنچنے میں اختلاف ہے، یا پھر ان کے سمجھنے میں اختلاف ہے۔

اسی طرح اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ: کچھ اہل علم نے زیور جس چیز سے بنائے گئے ہیں اس چیز کا اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے کہ: چونکہ یہ زیورات ایسی معدنیات سے بنے ہیں جنہیں لوگ آپس کے لین دین کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور اس معدنیات میں بالاجماع زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے، اس لیے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، چنانچہ انہوں نے ڈھلائی کیے ہوئے سونے چاندی کے زیورات اور سکوں پر زکوٰۃ واجب قرار دی۔

جبکہ دیگر اہل علم نے اس بات کو مدنظر رکھا ہے کہ یہ زیورات سنار کی محنت اور ڈیزائننگ کی وجہ سے سونے چاندی کے سکوں سے مشابہت نہیں رکھتے، چنانچہ انہیں گھریلو سامان، کپڑے، اور دیگر ایسی

---

[1] " المغنی " (221/4)

[2] (234/2)

چیزوں میں شامل کیا جنھیں انسان اپنی ذاتی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے، اور اس قسم کی چیزوں پر بالا جماع زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، چنانچہ اس بنا پر دیگر اہل علم نے یہ کہہ دیا کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

زیورات پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائلین میں: احناف، احمد[ایک روایت کے مطابق]، ابن منذر، خطابی، ابن حزم اور صنعانی، جبکہ معاصر علمائے کرام میں ابن باز، ابن عثیمین، اور دائمی فتوی کمیٹی نے بھی اسی کے مطابق فتوی صادر کیا ہے۔

ان کے ہاں زیورات پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سب سے قوی ترین دو چیزیں ہیں:

1. ایسی تمام احادیث اور نصوص جن میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ دینے کا حکم عام پایا جاتا ہے، کہ ان میں کسی بھی قسم کے سونے اور چاندی کو استثنا نہیں دیا گیا، مثال کے طور پر حدیث ہے:

''چاندی میں چالیسواں حصہ ہے''

اور اسی طرح حدیث ہے کہ: ''پانچ اوقیہ [200 درہم] سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے''

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ: ''چاندی میں چالیسواں حصہ ہے'' اور اسی طرح: (پانچ اوقیہ [200 درہم] سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے'' تو جب زیورات بھی چاندی ہیں تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ چاندی کے زیورات دونوں صحیح احادیث کے زمرے میں آتے ہیں''۔

جبکہ سونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ: ''کوئی بھی سونے کا مالک شخص اپنے سونے کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی پلیٹیں بنا کر ان سے داغا جائے گا)'' چنانچہ ان حدیث کی رو سے سونے پر بھی زکوٰۃ لاگو ہوگی، لہٰذا سونے یا چاندی کی کسی بھی صورت کو بغیر نص یا اجماع کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا''[1]

---

[1] المحلی بالآثار (191/4)

بلکہ ان تمام دلائل سے پہلے فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴﴾

ترجمہ: جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ [التوبۃ:34]

اور زیورات سونے چاندی میں شامل ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سونے اور چاندی کے عموم سے ہر قسم کے سونے چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ اللہ تعالی نے جس چیز کا نام سونا یا چاندی ہے اس پر زکوٰۃ فرض کی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کو بھی سونا یا چاندی کہا جائے گا چاہے اس پر محنت نہ بھی ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کسی کے پاس سونا زیورات یا سکوں یا ڈلی، یا چاندی کی ڈلی ہو تو اس پر بھی آیت میں مذکور سونے چاندی کے عموم کی وجہ سے زکوٰۃ لاگو ہوگی''[1]۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ آیت ہر قسم کے سونے چاندی کے بارے میں ہے، کیونکہ اس میں کسی خاص قسم کے سونے کی تخصیص نہیں کی گئی، چنانچہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جائز زیور اس آیت سے خارج ہے تو وہ دلیل پیش کرے''[2]۔

2 ایسی احادیث جن میں زیورات پر زکوٰۃ واجب ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، اور ان احادیث میں سے تین مشہور ترین ہیں:

الف: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: ''میرے پاس آپ ﷺ تشریف لائے اور میرے ہاتھوں میں چاندی کی بڑی انگوٹھیاں تھیں: تو آپ نے فرمایا: عائشہ یہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے یہ اس لیے بنوائی ہیں کہ انہیں پہن کر آپ کے لیے زینت اختیار کروں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں! تو آپ نے

[1] " أحكام القرآن " (303/4)

[2] " الشرح الممتع " (276/6)

فرمایا: تمہیں آگ کے لیے یہی کافی ہیں!''[1]

ب: عطاء رحمہ اللہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں: ''میں سونے کا زیور پہنتی تھی، تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ بھی ''کنز ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: (جو زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دو تو وہ ''کنز'' نہیں رہتا)''[2]۔

لیکن اس کے باوجود اس حدیث کو ابن قطان نے صحیح کہا ہے، اور حافظ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے، ان دونوں کے اقوال حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری''[3] میں نقل کیے ہیں، لیکن شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حدیث کے عربی الفاظ میں ''اوضاح'' کا لفظ چاندی کے زیور پر بولا جاتا تھا کہ یہ بالکل واضح سفید ہوتے ہیں لیکن بعد میں سونے کے زیورات پر بھی اسے بولا جانے لگا۔

ج: عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور شعیب اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ: ''ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی بیٹی کے ساتھ آئی اور اس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کڑے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟'' خاتون نے کہا: نہیں!'' آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالی ان دو کڑوں کے بدلے میں آگ

---

[1] ابو داود: (155) نے اسے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر و شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔جبکہ ترمذی، دارقطنی ، ذہبی، اور ابن عبد الهادی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
مزید کےلیے دیکھیں: " سنن دارقطنی " (274/2) ، " تنقیح التحقیق" (343/1) از: ذہبی ، اور "تلخیص الحبیر" (764/2) از: حافظ ابن حجر۔

[2] ابو داود: (1564) اس کی سند کے راوی تمام ثقہ ہیں، لیکن عطاء بن ابی رباح کا علی بن مدینی کے مطابق ام سلمہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

[3] (272/3)

کے کڑے پہنائے؟'' راوی کا کہنا ہے کہ: اس عورت سے ان کڑوں کو اتار کر نبی ﷺ کو دے دیا، اور کہنے لگی: ''یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے''[1]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے زیورات پر زکوٰۃ کی فرضیت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک عورت سے زیورات سے متعلق سوال کیا: ''کیا زیورات میں زکوٰۃ ہے؟'' تو آپ نے کہا: ''زیورات میں اگر دو سو درہم [چاندی کے نصاب] کے برابر ہوں تو اس کی زکوٰۃ دو''، تو خاتون نے پوچھا: ''میں کچھ یتیموں کو پال رہی ہوں تو کیا میں انہیں زکوٰۃ دے سکتی ہوں؟'' تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جی! دے سکتی ہو''[2]

چہارم:

جمہور مالکی، شافعی اور حنبلی فقہائے کرام ''سونے یا چاندی کے ذاتی استعمال کے لیے تیار شدہ جائز زیو'' کے بارے میں زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: سونے چاندی پر زکوٰۃ واجب ہونے کے عام دلائل زیورات پر صادق نہیں آتے، کیونکہ احادیث میں مذکور لفظ ''رقہ'' [چاندی] یا ''اواق'' [چاندی کی مخصوص مقدار] زیورات پر نہیں بولے جاتے، بلکہ سونے [چاندی] کے سکوں پر بولے جاتے ہیں۔

چنانچہ ابو عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہمارے علم کے مطابق یہ دونوں الفاظ عرب کے کلام میں لوگوں میں مروّجہ سکوں پر ہی بولے جاتے ہیں، اور لفظ ''اواق'' درہموں پر بولا جاتا ہے، چنانچہ

---

[1] اس حدیث کو ابو داود: (1563) نسائی: (2479) نے روایت کیا ہے، اس حدیث کو ابن قطان، زیلعی اور ابن ملقن نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام نووی اورشیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔لیکن ترمذی، نسائی ، ابن حبان، بیہقی، ابن حزم، ابن جوزی، اور ابن کثیر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] "مصنف عبد الرزاق صنعانی" (4/ 83)

چالیس درہموں کو ''اوقیہ'' کہتے ہیں'' (1)

اسی طرح امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''عربی زبان میں ''وَرِق'' ان اہل عرب کی زبان میں جن کی زبان میں وحی نازل ہوئی ہے، ایسے زیورات پر نہیں بولا جاتا جسے ذاتی استعمال کے لیے بنایا جاتا ہو'' (2)

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''زیورات پر زکوٰۃ واجب ہونے کے متعلق جن احادیث میں ''وَرِق'' اور ''رِقّہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے انہیں دلیل بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ صحاح اور قاموس وغیرہ لغت کی کتابوں میں یہ بات ثابت ہے کہ: ''وَرِق'' اور ''رِقّہ'' ڈھلائی شدہ سکوں کو کہتے ہیں، چنانچہ زیورات پر زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے ان الفاظ کو دلیل بنانا درست نہیں ہے، بلکہ اپنے مفہوم مخالف کے باعث اس بات کی دلیل ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی'' (3)

اسی طرح آیت میں مذکور ''کنز'' کا لفظ بھی ذاتی استعمال کے زیورات پر استعمال نہیں ہوتا، کیونکہ آیت میں لفظ ﴿ وَلَا يُنفِقُونَهَا ﴾ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سے مراد ایسا کنز ہے جو بطور مالیت و قیمت خرچ کیا جا سکے، اور یہ صرف سکوں میں ہی ہوسکتا ہے، نا کہ ذاتی استعمال کے زیورات میں۔

جبکہ زیورات پر زکوٰۃ واجب ہونے سے متعلق احادیث کے بارے میں انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''زیورات میں زکوٰۃ فرض ہونے سے متعلق کوئی حدیث نبوی ﷺ سے ثابت نہیں ہے'' (4)

---

(1) " الأموال " (ص: 543)

(2) " صحيح ابن خزيمه " (34/4)

(3) " السيل الجرار " (ص: 233)

(4) " جامع ترمذی " (29/3)

اور اسی طرح بدر الدین موصلی کہتے ہیں: ''اس مسئلے سے متعلق کوئی حدیث نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے'' (1)

اور اسی طرح امام ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ تمام احادیث ضعیف ہیں'' (2)

جبکہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس مسئلے سے متعلق دو طرفہ احادیث موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتیں'' (3)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''چنانچہ اس مسئلے سے متعلق کوئی حدیث بھی قابل حجت نہیں رہتی۔ اور صحابہ کرام اور ان کے اہل خانہ کے پاس زیورات موجود تھے، لیکن ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے انہیں زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہو'' (4)

سابق مفتیٔ اعظم سعودیہ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جن لوگوں نے سونے یا چاندی کے ذاتی استعمال کے لیے تیار شدہ جائز زیور پر زکوٰۃ واجب قرار دی ہے ان کے مرفوع احادیث پر مشتمل کچھ صریح دلائل ہیں، جن میں سونے کے دو موٹے کڑوں والی حدیث، عائشہ رضی اللہ عنہا کی چاندی سے بنی انگوٹھیوں والی حدیث، اور ام سلمہ کی سونے کے زیور والی حدیث شامل ہے۔ ان تمام احادیث کے بارے میں امام شافعی، احمد بن حنبل، ابوعبید، نسائی، ترمذی، دارقطنی، بیہقی، اور ابن حزم رحمہم اللہ کی گفتگو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کے صحیح ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں قوت نہیں ہے، اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ ان اہل علم کی رائے کو ان متاخرین کی رائے پر فوقیت دی جائے گی جنہوں نے ان احادیث کو قوی سمجھنے کی کوشش کی ہے'' (5)

---

(1) " المغنی عن الحفظ والکتاب " صفحہ: 313

(2) " التحقیق " (71/3)

(3) "مجموع رسائل ابن رجب" (708/2)

(4) " السیل الجرار " (ص: 233)

(5) " فتاوی ورسائل سماحة الشیخ محمد بن إبراهیم آل الشیخ " (97/4)

اور جن اہل علم نے ان روایات کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے انہوں نے اس کے معنی و مفہوم کی ایسی توجیہ پیش کی ہے کہ ظاہری مطلب تبدیل ہو جائے، چنانچہ اس بارے میں بھی بہت سی آراء ہیں، جو کہ تمام کی تمام کمزور اور تکلف سے بھرپور ہیں۔

چنانچہ ان توجیہات میں یہ کہا گیا ہے کہ: ''یہ اس وقت کی بات ہے جب خواتین پر سونا پہننا حرام تھا'' اگر یہ بات درست ہوتی تو نبی ﷺ انہیں زکوٰۃ کا حکم دینے سے پہلے پہننے سے ہی منع کر دیتے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے: ''یہاں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقہ ہے، فرض زکوٰۃ مراد نہیں ہے، یا پھر زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ انہیں عاریۃً پہننے کے لیے دینا چاہیے''۔

لیکن یہ بھی بعید از قرائن ہے، کیونکہ حدیث میں شدید قسم کی وعید ہے اور اتنی سخت وعید کسی مستحب کام کے ترک پر نہیں دی جاسکتی۔

دوسری طرف جمہور اہل علم نے اپنے موقف کی تائید کے لیے ان صحابہ کرام کے آثار سے بھی مدد لی ہے، جو زیورات پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے۔

چنانچہ امام اثرم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے سنا وہ کہہ رہے تھے: پانچ صحابہ کرام سے یہ مروی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور وہ ہیں: انس، جابر، ابن عمر، عائشہ، اور اسماء رضی اللہ عنہم جمیعا''

اس اثر کو ابن عبد الہادی نے "التنقيح" [1] میں نقل کیا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جابر بن عبد اللہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور یہی موقف اسماء بنت ابی بکر صدیق کا ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات منقول ہے، اور ان دونوں سے صحیح ثابت بھی ہے'' [2]۔

مؤطا امام مالک میں عبد الرحمن بن قاسم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ

---

[1] (1421/2)

[2] " المحلى بالآثار " (4/ 185)

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی یتیم بچیوں کی کفالت کرتی تھیں، ان کا کچھ زیور بھی تھا لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تھیں [1]۔

شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر سخت وعید بھی معلوم ہو کہ جہنم میں جانے کے لیے زکوٰۃ ادا نہ کرنا ہی کافی ہے، اور پھر بھی آپ اپنی زیر کفالت بچیوں کی زکوٰۃ ادا نہ کریں؟ مزید یہ بھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ موقف مشہور ہے کہ یتیم بچوں کے مال میں بھی زکوٰۃ ہوگی'' [2]

اسی طرح امام مالک نے موطا میں نافع سے بیان کیا ہے کہ: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹیوں اورلونڈیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے، اور ان کے زیورات سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے'' [3]

اسی طرح عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے جابر بن عبداللہ سے زیورات میں زکوٰۃ سے متعلق پوچھا کیا ان میں زکوٰۃ ہے؟

تو انہوں نے کہا: نہیں۔

میں نے کہا: اگر ایک ہزار دینار کے برابر ہو؟

تو انہوں نے کہا: ایک ہزار دینار تو بہت زیادہ ہیں'' [4]

اسی طرح علی بن سلیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے زیورات کے بارے میں پوچھا کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ''نہیں ہے'' [5]

فاطمہ بنت منذر رحمہا اللہ سے مروی ہے کہ: ''اسماء رضی اللہ عنہا زیورات کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتی

---

[1] (584)

[2] " أضواء البيان " (126/2)

[3] :(485)

[4] " مصنف عبد الرزاق " (82/4)

[5] " الأموال " از: ابن زنجويه (3/ 979)

تھیں، اوران کی بیٹیوں کا زیور تقریباً پچاس ہزار [کے برابر] تھا"[1]

اسی طرح یحیی بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں: "میں نے عمرہ بنت عبد الرحمن سے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا:"میں نے کسی کو زیورات کی زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور میرا ایک ہار تھا جس کی قیمت 1200 ہوگی میں نے کبھی اس کی زکوٰۃ نہیں دی"[2]۔

اور ایسے ہی حسن کہتے ہیں: "ہمارے علم کے مطابق کسی بھی خلیفہ راشد نے یہ نہیں کہا کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے"[3]

بلکہ الباجی رحمہ اللہ نے زیورات پر زکوٰۃ نہ ہونے کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ: "یہی موقف تمام صحابہ کرام میں مشہور ومعروف تھا"[4]

جبکہ زیورات میں زکوٰۃ فرض ہونے کا موقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

چنانچہ ابو عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ہمارے ہاں زیورات پر زکوٰۃ سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہیں"[5]

اوران کا یہ بھی کہنا ہے کہ: "زکوٰۃ کے لیے اصول یہ ہے کہ ہر ایسی چیز جو ذاتی استعمال کے لیے ہو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

چنانچہ ہر ایسا مال جس پر حقیقت میں زکوٰۃ لاگو ہوتی ہو لیکن جب اسے ذاتی استعمال کے لیے رکھا جائے تو پھر اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، مثال کے طور پر: کام کاج کے لیے رکھے ہوئے اونٹ اور بیل

---

[1] " الأموال " از: ابن زنجویه (3/ 979)

[2] " الأموال " از: ابن زنجویه (3/ 979) اور " مصنف ابن ابی شیبہ" (2/ 383)

[3] " مصنف ابن ابی شیبہ" (2/ 383)

[4] " المنتقی شرح الموطأ " (2/ 107)

[5] " الأموال " از: قاسم بن سلام (صفحہ: 544)

وغیرہ، ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں ذاتی استعمال کے لیے رکھا گیا تو یہ زکوٰۃ والے مال سے نکل کر غیر زکوٰۃ والے مال میں شامل ہو گئے۔

اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سونے چاندی کی دو قسمیں ہیں:

1- ایسا سونا چاندی جسے قیمت ادا کرنے کے لیے، یا تجارت کے لیے یا منافع کمانے کے لیے رکھا گیا ہو تو اس میں زکوٰۃ ہو گی، جیسے کہ سکوں اور خالص سونے چاندی میں ہوتی ہے۔

2- ایسا سونا چاندی جسے نفع یا تجارت کے لیے نہیں رکھا گیا، مثال کے طور پر عورت کا زیور، اور اسلحہ اور اوزاروں میں ایسے انداز سے استعمال ہونے والا سونا یا چاندی جسے شریعت کی رو سے اجازت ملتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے''[1]

خلاصہ یہ ہوا کہ:

اس مسئلے کے بارے میں اختلاف بہت قوی ہے، اور ہر موقف کی دلیل اور قابل اعتماد حجت بھی ہے۔ لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا کر دینا ہی محتاط اور بری الذمہ ہونے کے لیے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''احتیاط اسی میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے''[2]

اسی طرح شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا ہی محتاط ہے؛ کیونکہ جو شخص شبہات سے بچے تو وہ اپنے دین اور آبرو کو محفوظ بنا لیتا ہے، اور شبہ والی چیز کو چھوڑ کر یقینی چیز کو اپنانا چاہیے، باقی کامل علم تو صرف اللہ تعالی کی ذات کے پاس ہے''[3]

والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب

---

[1] " إعلام الموقعين " (70/2)

[2] " معالم السنن " (2/ 17)

[3] " أضواء البيان " (134/2)

حزبیت

ایک ناسور

عبدالمجید محمد حسین بلتستانی [1]

اسلام ایک کامل دین ہے جس میں بنی نوع انسان کے لیے ہر قسم کی رہنمائی موجود ہے۔ یہ ایسا دین ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

" قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها" [2]

ترجمہ: میں تمہیں ایسے دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی راتیں بھی دن کی مانند روشن ہیں۔

فتنوں کے دور میں بھی اس پیارے دین نے اپنے ماننے والوں کی بہت عمدہ رہنمائی کی ہے۔ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں امت کا شیرازہ بکھر چکا ہے، جس کی بنیاد "تحزب واختلاف وشقاق" ہے۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، ریسرچ فیلو المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[1] سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: 43، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے: سلسلہ صحیحہ 1/610 (حدیث: 937)

''حزبیت'' ایک ایسا ناسور ہے جس نے اسلامی معاشرے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں، ایک امت کہلانے والے، ایک اللہ کو ماننے والے، ایک نبی ﷺ اور ایک قرآن کو ماننے والے، ایک قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے آج اس حزبیت کی نحوست کی وجہ سے آپس میں دست وگریبان ہیں، ایک دوسرے پر کفر کے فتوے داغے جا رہے ہیں، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ آپس میں شیر وشکر ہوتے، ایک دوسرے کے غم خوار بنتے ایک دوسرے کے کام آتے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ ''مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔[سورہ حجرات:10]اور ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ ''سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو''۔[سورہ انفال:1] کی عملی تصویر ہوتے۔ ہمارے سامنے ہمارے اسلاف کی مثالیں موجود ہیں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کے غم خوار وغم گسار بنے، مؤاخات کی ایسی مثال قائم کی کہ آج اس کی نظیر ملنا بھی بہت مشکل ہے، حالانکہ اسلام سے قبل وہ رنگ ونسل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے، لیکن اس دین کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور اس عظیم الشان اخوت کا ذکر اللہ پاک نے یوں کیا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے''۔[سورہ آل عمران:103]

اسلام نے ہمیشہ اتحاد واتفاق کی دعوت دی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [سورہ آل عمران:103]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو''

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝٩٢﴾[سورہ انبیاء:92]

''یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو''

یہ اخوت ومودّت محض انعام الٰہی ہے:

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾

ترجمہ:''زمین میں جو کچھ ہے آپ اگر سارا کا سارا بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتے، یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے''۔[سورہ انفال 63]

اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنے فرامین عالیشان میں اس پہلو پر زور دیا ہے، کبھی یوں فرمایا'' عليكم بالجماعة''[1] ترجمہ: جماعت کو لازم پکڑو، کبھی یوں گویا ہوئے:''يدالله على الجماعة''[2] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

بلکہ ایک حدیث میں اس شخص کو جو جماعت سے نکل جائے اس کو اس بکری سے تشبیہ دی جو ریوڑ سے الگ تھلگ ہو کر چرتی ہے اور بھیڑیے کے لیے اس کا شکار کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔[3]

بعینہ جب آدمی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس حزبیت کی نحوست نے دور حاضر کے نوجوانوں کو تباہی وبربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، اور کچھ ایسے لوگ جو بظاہر خیرخواہی کا دعوی کرتے ہیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام ہی کے بارے میں ایسی تشریحات کرتے ہیں کہ نوخیز عمر والے نوجوانوں کو گمراہی کے راستے پر لگا دیتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾

''پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے''۔[سورہ آل عمران:7]

اور اس حزبیت کے زہر کو امت کے نوجوانوں کے ذہنوں میں انڈیل رہے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ ہمارا یہ قابل فخر سرمایہ ان لوگوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر انتہا پسندی کی طرف روز افزوں مائل

---

[1] مسند احمد:22029، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، صحیح ترغیب وترہیب 1/211، (427)

[2] سنن نسائی 4020، شیخ البانی نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ صحیح ترغیب وترہیب 2131

[3] مسند احمد:22029، مسند احمد کے محققین نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ مسند احمد 358/36

ہو رہا ہے، اور یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

عصرِ حاضر کے محدث معروف یمنی عالمِ دین شیخ مقبل بن وادعی رحمہ اللہ حزبیوں کے اس گمراہ کن فعل پر سخت نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كم من شباب صالح حافظ للقرآن مبرز في علم السنة أفسده الحزبيون بأمانيهم الكاذبة"[1]

''کتنے ہی نیک، حافظ قرآن، علمِ حدیث کے ماہر نوجوانوں کو حزبیوں کی جھوٹی تمناؤں نے بربادی کی طرف دھکیل دیا۔''

حزبیت عصر حاضر کا ایک بہت بڑا فتنہ ہے جس نے اہل حق کو آپس میں بھڑا دیا ہے، اس کی وجہ سے قتل و غارت کا بازار گرم ہے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جا رہے ہیں اور ان فتووں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو جہنم رسید کرنے پر کمربستہ ہیں، دشنام طرازی اور طوفان بدتمیزی کی بھرمار ہے۔ آج اس حزبیت کی نحوست کی وجہ سے عالم اسلام کا مسلمان تقسیم ہو چکا ہے، اغیار نے اس مسلمان کو نادیدہ انداز میں اس طرح اکائیوں میں بانٹ دیا ہے کہ آج وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں۔

''حزبیت'' کے معاشرے میں پنپنے کے بہت سارے اسباب ہیں ان میں ایک بنیادی سبب ''عصبیت'' ہے اس لعنت کی وجہ سے مسلمان لسانیت، رنگ و نسل میں منقسم ہیں، ہر ایک کو یہی فکر کھائے جا رہی ہے کہ میری پارٹی اور جماعت غالب ہو، اس کے لیے لڑتا مرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے اس کے لیے اپنی کوششیں صرف کرتا ہے اس کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگا دیتا ہے۔ جبکہ دین اسلام نے اس کی سخت مذمت اور سخت انداز میں بیخ کنی کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قبیلے کے جھنڈے کی بلندی کے لیے لڑتا ہے اور ایک اور شخص کسی اور غرض سے لڑتا ہے ان میں سے فی سبیل اللہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے دین کی سربلندی کے

[1] غارة الاشرطه 13/1

لیےلڑتا ہے یہ حقیقت میں فی سبیل اللہ ہے [1] ۔ایک حدیث میں اس عصبیت کو گندگی سے تشبیہ دی۔

" دعوهافإنهامنتنة" [2]

''اس (عصبیت) کو چھوڑ دو یہ نہایت بدبودار ہے''۔

یہ ایسا متعفن بدبودار فعل ہے کہ آج کا نوجوان اس بدبو کے زیر اثر آچکا ہے، جوکہ امت اسلامیہ میں رخنہ کا سبب بن گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عصبیت کے جھنڈے تلے لڑتا ہے یا اس کی طرف دعوت دیتا ہے یا عصبیت پر تعاون کرتا ہے اس راہ میں مارا جائے تو ایسے شخص کی موت جاہلیت پر ہے۔ [3]

ایک حدیث میں ہے کہ جب صحابی رسول ﷺ جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کسی کو ''عصبیت'' کا نعرہ لگاتے سنا تو نہایت غصہ کے عالم میں اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا جاؤ جا کر اپنے باپ کی شرمگاہ کو چوسو،لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ نے ایسا کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے [4] ۔اس لیے کہ جو وہ عصبیت وحزبیت کا نعرہ لگا رہا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بدتر اور بدبودار ہے۔

حزبیت سے متعلق چند امور توجہ طلب ہیں جنہیں ہم یہاں ترتیب وار بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حزبیت کیا ہے؟

''حزبیت'' کی تعریف: لغت میں اس کا معنی انقطاع، راہِ حق سے ہٹ جانا آیا ہے۔

شرعی اصطلاح میں اس سے مراد اہل السنہ والجماعہ کے بنیادی و مسلمہ اصولوں سے خروج کرنا ہے۔

اس امت میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اس روش کو اختیار کیا وہ خوارج تھے،اور صرف اسی پر

---

[1] صحیح بخاری:7458،صحیح مسلم:1904

[2] صحیح بخاری:4907،صحیح مسلم:2584

[3] صحیح مسلم:1848

[4] مسند احمد:21233،شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے،سلسلہ صحیحہ 1 / 537،حدیث:(269)۔

بس نہیں کیا بلکہ کچھ اور قدم آگے بڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کفر کا فتوی لگاتے ہوئے ان سے قتال کو واجب جانا اور کثیر تعداد میں بے گناہ لوگوں کا بہیمانہ انداز میں قتل عام کیا، ان رذیل قسم کے لوگوں نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں خوب کردار ادا کیا۔

مضمون کی ابتدا میں وعید والی کچھ احادیث کا ذکر ہوا جس میں امت کے افتراق واختلاف کا ذکر تھا اب اس سلسلے میں مزید نصوص ملاحظہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"افترقت اليهود على احدى وسبعين فرقة وافترقت النصارى على ثنتين وسبعين فرقة وتفترق هذه الامة على ثلاث وسبعين فرقة"[1]

"یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی"۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں کی طرح یہ امت بھی انتشار وافتراق کا شکار ہوگی، اور اس پر وعید بھی کرتے ہوئے فرمایا کہ جو افتراق کا سبب بنے امت کی وحدت کو پارہ کرنے کے درپے ہوا سے قتل کر دیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فمن أراد أن يفرق أمر هذه الأمة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان"[2]

"جو اس امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سوچے اس کی گردن اڑا دو چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔"

اس سے واضح ہوا کہ حزبیت کی نحوست سے یہ امت ضرور شکار ہوگی جہاں اس چیز سے آگاہ کیا وہاں اس حزبیت سے بچنے کی سختی کے ساتھ تاکید بھی کی ہے، خصوصا ایسے وقت میں جب فتنے سر اٹھا رہے ہوں اور لوگ ان فتنوں کی زد میں آ رہے ہوں تو ایسے حالات میں ایک مؤمن بندے کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی جان وایمان کی سلامتی کے لیے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر دے۔ بعض

---

[1] ابوداود: 4598، ابن ماجہ: 3992، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلہ صحیحہ میں صحیح قرار دیا ہے، حدیث: 203,1492

[2] صحیح مسلم: 1852

روایات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ کسی پہاڑ کے دامن میں منتقل ہوجائے تاکہ فتنوں سے محفوظ رہ سکے۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتنوں کے دور میں ایک مسلمان کا کیا کردار ہونا چاہیے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"أمسک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک"[2]

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہیں کافی ہو، اور اپنے گناہوں پر رویا کرو''۔

الغرض ہر اس امر سے اجتناب کرے جو انسان کو حزبیت کی طرف دھکیلتا ہو۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو (جس کے ساتھ انضمام نہایت ضروری ہے) تو میں کیا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فاعتزل تلک الفرق کلها"[3]

یعنی تمام فرقوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرلو۔

تنبیہ:

اس حدیث میں لفظ ''الجماعة'' آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ آیا مروجہ جماعتیں مراد ہیں یا کوئی خاص جماعت مراد ہے؟ کیونکہ کچھ لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری معنی کو لیتے ہوئے اپنی الگ جماعت بنالی کہ اس حدیث کا مصداق ہماری جماعت ہے اس طرح کا مغالطہ دے کر بھولے بھالے عوام کو گمراہ کررہے ہیں، اگر نصوص اور آثار سلف کا مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ اس سے مراد امت کے سلف صالحین کا منہج ہے جو کہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔

عظیم صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''جماعت'' کی تعریف میں فرماتے ہیں: "الجماعة

---

[1] صحیح بخاری: 6495

[2] سنن ترمذی: 2586، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، صحیح ترغیب وترہیب 3/1018، حدیث: (2741)

[3] صحیح بخاری: 3606، صحیح مسلم: 1847

ماوافق الحق وإن كنت وحدك "[1]

حق کے مطابق چلنے والوں کا نام ''الجماعۃ'' ہے چاہے تو اکیلا ہی ہو۔

امام شاطبی رحمہ اللہ ''الجماعۃ'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الجماعة ماكان عليه النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون لهم باحسان "[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے طریقے کا نام ''الجماعۃ'' ہے۔

تو اس سے واضح ہوا کہ ''الجماعۃ'' سے مراد یہ ہے کہ جو شخص سلف صالحین کے منہج پر ہے وہ جماعت کے ساتھ اور جو اس منہج سے خروج کرے گا گویا کہ وہ جماعت سے باہر نکل گیا۔

حزبیت کے اسباب:

دین اسلام کی تبلیغ نے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام و نامراد کر دیا تھا قریب تھا کہ یہ اسلام دشمن قوتیں اپنا وجود کھو بیٹھتیں، اب انہوں نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں کا آغاز کیا، اسلام کی صفوں میں کچھ ''زلہ خوار'' قسم کے لوگ (جو کبھی ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے یا کبھی ''جدت'' جیسے کلمات سے اپنا تعارف کراتے ہیں) ان استعماری قوتوں کے آلہ کار بن گئے یہ قوتیں ایسے لوگوں کی مالی و معنوی ہر اعتبار سے تعاون کرتی ہیں، اور یہ لوگ مسلمانوں پر اپنی من مانی کی شریعت کو ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ناموری اور سستی شہرت کے بھوکوں اور خواہشات کے غلاموں نے متنازعہ مسائل کو تقریری یا تحریری صورت میں ہدف بنا کر لوگوں کو حزبیت میں تقسیم کر دیا، جس کی وجہ سے کئی ایک نئی جماعتیں وجود میں آجاتی ہیں، جن کا کام صرف تنقید کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

---

[1] شرح عقیدہ اہل السنة والجماعة للامام اللا لکائی 2/109۔

[2] کتاب الاعتصام 1 / 37 بحوالہ مسئلہ رؤیت ہلال اور بارہ اسلامی مہینے، صفحہ نمبر: 61، از فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

انہی لوگوں کے بارے میں مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہ گار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی[1]

حزبیت کے فروغ میں ''جہالت'' کا بھی نمایاں کردار ہے، لوگوں کی کم علمی اور جہالت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، چرب زبانی کی وجہ سے جاہل عوام انہیں عالم سمجھ کر ان سے راہنمائی لیتے ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ایسے لوگوں کا کردار واضح ہوتا ہے:

"إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا"[2]

''اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا بلکہ علم کو علماء کے اٹھا لینے کے ساتھ اٹھا لے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے پس ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ایسے لوگ حصول علم کے لیے درست ذرائع استعمال نہیں کرتے، یا تو نااہل قسم کے لوگوں یا غیر منہجی لوگوں کو اپنا معلم بناتے ہیں، ان کے زہریلے گندے افکار کو شرعی علم سمجھ کر حاصل کرتے ہیں، جبکہ ان لوگوں کا مبلغِ علم سوائے گمراہی کے کچھ نہیں ہوتا۔

راسخین فی العلم علماء کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان سے بڑا عالم باور کراتے

---

[1] مسدس حالی:106

[2] صحیح بخاری حدیث:100

ہیں، حزبیوں (خصوصاًان میں وہ لوگ جن کا منہج تکفیر والا ہے) کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ انہوں نے علمائے ربانیین کے خلاف کس قسم کی غلیظ زبان استعمال کی ہے۔

اور یہ وبا ہمارے معاشرے میں تیزی سے پھیلتی جارہی ہے، چار پانچ کتابوں کو رٹنے اور انٹرنیٹ کی دنیا سے علم حاصل کرنے والا خود کو بڑا عالم سمجھتا ہے، اور فتوی جیسے اہم اور نازک منصب کو اپنے ہاتھ میں لے کر لوگوں پر خوب گولہ باری کرتا ہے، اہل علم کی اہانت کرتا ہے، جو اس ''نام نہاد مفتی'' کی رائے سے الگ کوئی رائے رکھتا ہے تو اسے خوب ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، میڈیائی علم اور وسائل سے حاصل شدہ مواد کی بنیاد پر فتوی بازی کا سلسلہ جاری ہے جس کے نتیجے میں گمراہی اور حزبیت جنم لے رہی ہے۔

جبکہ سلف صالحین فتوی کے معاملہ میں نہایت محتاط تھے، ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ فتوی کا نام سنتے ہی چہرے کا رنگ فق ہوجاتا تھا۔

جلیل القدر تابعی عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أدركت عشرين ومائة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منهم رجل يسأل عن شيء إلاودّ أن أخاه كفاه۔۔۔۔ يسأل أحدهم عن المسألة فيردهاإلىٰ هذا وهذاإلىٰ هذا حتىٰ ترجع إلىٰ الأول"[1]

''میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ یہی چاہتا کہ اس بارے میں اس کا جواب اس کا بھائی دے، اور کبھی ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا اور وہ تیسرے کی طرف اشارہ کرتا یہاں تک کہ وہ سوال پہلے ساتھی کی طرف لوٹ آتا۔''

آج کل کے یہ نام نہاد مفتیان کرام جو بات بات پر فتوی تیار کیے بیٹھے ہوتے ہیں انہیں نہ دین میں تفقہ ہوتا ہے اور نہ اللہ کا ڈر اور خوف ان کے اس رویے پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تبصرہ

---

[1] سنن دارمی 137:2481، جامع بیان العلم وفضلہ 2742

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إن الذی يفتي الناس فی کل مایسألونه لمجنون"[1]

''جو شخص ہر پوچھے جانے والے سوال کا جواب دے وہ پاگل ہے۔''

اور امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایسے لوگوں کا تجزیہ بایں الفاظ کرتے ہیں:

"أجرؤ الناس علی الفتویٰ أقلهم علماً"[2]

''فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مند وہ شخص ہوتا ہے جو علمی طور پر نکمّا ہو۔''

دین میں بے جا تشدد حزبیت کو جنم دینے کا ایک سبب ہے، ہمارے سامنے کی کئی ایک زندہ مثالیں بعض جماعتوں کی شکل میں موجود ہیں جن کے موجدین نے صرف کسی چھوٹے سے مسئلے میں بے جا تشدد اختیار کر کے اپنی الگ جماعت کی بنیاد کھڑی کر دی اور امت کے مسلمانوں کو حزبیت میں بانٹ دیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر ان لوگوں پر کفر کا لیبل چسپاں کر دیا جو ان کے نظریے سے متفق نہ تھے۔ حالانکہ دین اسلام نے بے جا تشدد سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے:

" بشرو ولاتنفروا يسروا ولاتعسروا " [3]

''بشارتیں دو، نفرتیں نہ پھلاؤ، آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں نہ پیدا کرو۔''

حزبیت کو فروغ دینے میں ''عصبیت'' کا بھی بھرپور کردار ہے، اس پر وعید کے حوالے سے چند آثار سے واضح ہوا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اسے گندگی قرار دیا ہے، اس گند کو کچھ لوگوں نے اپنے سینے سے چمٹا کر رکھا ہوا ہے، اس صف میں بعض ''اصحاب جبہ و دستار'' بھی نظر آتے ہیں فیاللعجب!

ان امور سے واضح ہوا کہ حزبیت کتنی بری چیز ہے اس سے بچنا نہایت ضروری ہے خصوصاً

---

[1] جامع بيان العلم وفضله: 276/2

[2] جامع بيان العلم وفضله: 49/2

[3] صحيح مسلم: 1732

نوجوانوں کو پرفتن دور میں اس سے دور رہنا چاہیے کیونکہ ایسے بہت سے لوگ یا جماعتیں موجود ہیں جو دین کا نام لے کر اس کی آڑ میں ان کے جذبات کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور پھر بالآخر معاملہ گمراہی و بربادی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

حزبیت سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

اب ان اسباب کو بیان کیا جاتا ہے کہ جن کو اختیار کرنے سے ہم اپنے آپ کو اس لعنت سے محفوظ رکھ سکتے ہیں:

1 حزبیت سے بچنے کے لیے ہر صاحب ایمان شخص پر لازم ہے کہ **وہ کتاب وسنت سے اپنا تعلق پختہ اور مضبوط کرے** کیونکہ یہ وہ اصل اصیل ہے جس کے ساتھ تعلق مضبوط ہو تو انسان ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾[سورہ آل عمران:101]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ وسنة رسولہ"[1]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت''۔

2 **صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اور تابعین کرام وسلف صالحین کے منہج کو اختیار کرنا** اور اس پر تادم حیات قائم رہنا، یہ بھی انسان کو فتنوں سے دور رکھتا ہے، اور اللہ تعالی نے اسے ''سبیل المؤمنین'' سے تعبیر کیا ہے، اس سے بھٹک جانے والے کو گمراہ قرار دیا ہے۔[سورہ نساء:115]

3 **دینی علوم کے حصول کے لیے صحیح منہج کے حامل مربی علما کے سامنے زانوئے تلمذ بچھانا:** منہج سلف کے حامل علما کی صحبت اور ان کی مجالس علمیہ سے استفادہ انسان کو فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے، لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو علما سے متعلق نصیحت کرتے ہوئے کہا

[1] مؤطا امام مالک: 3338، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، مشکوٰۃ المصابیح 1/ 66، حدیث (186)

''یا بني جالس العلماء وزاحمهم برکبتیک فإن الله یحیي القلوب بنور الحکمة کما یحیي الأرض المیتة بوابل السماء۔''[1]

''اے میرے پیارے بیٹے! علما کی صحبت کو پابندی کے ساتھ اختیار کرو، ان کی مصاحبت سے اللہ پاک مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح وہ موسلا دھار بارش سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے۔''

4 **علما کو طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنائیں ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں کو برسر بازار نہ اچھالیں، بلکہ** خلوت میں انہیں احسن طریقے سے آگاہ کر کے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''من وعظ أخاه سرا فقد نصحه وزانه ومن نصح علانیة فقد فضحه وخانه''[2]

''جس نے اپنے بھائی کو علیحدگی میں سمجھایا تو اس نے اپنے بھائی کی خیر خواہی کی، اس کو زینت بخشی، اور جس نے سرعام سمجھایا تو اس نے اپنے بھائی کو رُسوا کیا اور اس کے ساتھ خیانت کی۔''

یہ علما انبیاء کے وارث ہیں، اور اللہ تعالی کے اولیاء میں سے ہیں اور ایک حدیث قدسی میں ہے:

'' من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب''[3]

''جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں''۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''ولی'' کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''المراد بولی الله العالم بالله المواظب علی طاعته''[4]

---

[1] الغنیة فهرست شیوخ القاضي عیاض 1/47۔
[2] حلیة الأولیاء (140/9)، الآداب الشرعیة لابن المفلح ص358۔
[3] صحیح بخاري: 6502۔
[4] فتح الباری 11/ 342

”ولی اللہ سے مراد اللہ کو پہچاننے والا، اس کی اطاعت میں ہمیشگی کرنے والا عالم ہے۔“
سیدنا عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من استخف بالعلماء ذهبت آخرته، ومن استخف بالأمراء ذهبت دنياه، ومن استخف بالإخوان ذهبت مروءته"[1]

”جو علماء کو حقیر سمجھے اس کی آخرت ضائع ہوگئی، جو امراء کو حقیر سمجھے اس کی دنیا برباد ہوگئی، اور جو اپنے دوست واحباب کو حقارت سے دیکھے اس کی مروت کا جنازہ نکل گیا۔“
امام سہل بن عبداللہ التستری فرماتے ہیں:

"لا يزال الناس بخير ما عظموا السلطان والعلماء، فإن عظموا هذين : أصلح الله دنياهم وأخراهم،وإن استخفوابهذين :أفسدوادنياهم وأخراهم"[2]

”لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک وہ حکمرانوں اور علماء کرام کی توقیر کرتے رہیں گے، جب وہ ان دونوں کی عزت کرتے ہیں تو اللہ تعالی ان کی دنیا اور آخرت سنوار دیتا ہے، اور اگر ان دونوں کی اہانت کرتے ہیں تو اللہ پاک ان کی دنیا وآخرت بگاڑ دیتا ہے۔“
آج کے ہمارے اس دور میں علماء پر خوب کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ان نصوص وآثار سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

5 **ہر قسم کی پارٹیوں سے خواہ ان کا تعلق سیاسی ہو یا مذہبی ان سے قطعی اجتناب کرنا چاہیے،** خصوصاوہ جماعتیں جو منہجِ حق سے کوسوں دور ہیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکے، جو بھی ان کے چکروں میں پڑ جاتا ہے پھر اسے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، ان سے کنارہ کشی میں ہی انسان کی عافیت وسلامتی ہے۔

6 **اپنے امراء وحکام کے ساتھ خیر خواہانہ پہلو اختیار کرے،** ان کے خلاف خروج یا تنقید جیسے امور سے

---

[1] سیر اعلام النبلاء 8/408
[2] تفسیر قرطبی:5/260-261

مکمل طور پر گریز کرے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"الدين النصيحة قلنالمن ؟قال لله ولرسوله ولكتابه ولأئمة المسلمين وعامتهم"[1]

"دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے عرض کیا کہ کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اور اس کے رسول ﷺ کے لیے، اور اس کی کتاب کے لیے، اور مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے، اور عام لوگوں کے لیے"۔

اس حدیث میں امراء وحکام کے ساتھ خیر وبھلائی کا حکم دیا گیا ہے، ان کی جائز امور میں اطاعت کرے حدیث میں ہے کہ

"تسمع وتطيع للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع وأطع "[2]

"اپنے حاکم کی اطاعت کرو اگرچہ وہ تجھے مارے اور مال چھینے پھر بھی اس کی اطاعت کرو۔"

اللہ پاک سے یہی دعا والتجا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری نوجوان نسل کو اس حزبیت جیسی لعنت سے محفوظ رکھے اور سلف صالحین کے منہج پر چلنے اور اس پر استقامت کی توفیق دے آمین۔

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا

---

[1] صحیح مسلم :55

[2] صحیح مسلم :1847

برصغیر (پاک وہند) میں علم حدیث

قسط نمبر 3

عبدالرشید عراقی (1)

حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی

شیخ العرب والعجم استاد العلماء حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ علوم اسلامیہ کا بحر زخار تھے آپ بیک وقت مفسر بھی تھے، اور محدث بھی، مورخ بھی تھے اور محقق بھی، مجتہد بھی تھے اور فقیہ بھی ،معلم بھی تھے اور متکلم بھی، مدرس بھی تھے اور مصنف بھی، عربی، فارسی اور اردو کے انشاء پرداز بھی تھے اور ادیب بھی تمام علوم اسلامیہ پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''قرآن وحدیث، منطق وفلسفہ، صرف ونحو، لغت وبیان کے علاوہ علم الکلام اور عقائد کی دقیق دقیق بحثوں سے گوہر مراد نکالنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔'' (2)

حضرت محدث گوندلوی کے علم وفضل کا اعتراف علمائے سعودی عرب نے بھی کیا ہے ایک دفعہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ایک علمی مجلس میں علامہ شیخ محمد امین الشنقیطی مولف تفسیر اضواء البیان نے حضرت محدث گوندلوی رحمہ اللہ کی موجودگی میں فرمایا

---

(1) نامور مؤرخ ومصنف کتب کثیرہ

(2) تذکرہ علمائے اہلحدیث 3/ 252

"ما رأيت أعلم على وجه الارض من هو الشيخ "

روئے زمین پر اس وقت (محدث گوندلوی) جیسا صاحب علم وفضل عالم میں نے نہیں دیکھا۔[1]

حضرت محدث گوندلوی کی تدریسی مدت نصف صدی سے زیادہ ہے آپ نے جن دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دارالحدیث۔ گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ

مدرسہ تعلیم الاسلام۔ اوڈانوالا

جامعہ محمدیہ۔ گوجرانوالہ

جامعہ اسلامیہ گلشن آباد گوجرانوالہ

جامعہ دارالسلام عمرآباد (مدراس)

جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ (سعودی عرب)

جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد

تلامذہ

جس مدرس کی تدریسی مدت نصف صدی سے زیادہ ہو اس کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں۔

ذیل میں آپ کے چنداُن تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جنھوں نے درس وتدریس اور تصنف وتالیف میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

اصحاب تدریس

مولانا ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی، ملونی بن حکیم عبدالشکور عراقی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیالوی، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ آف گوجرانوالہ، مولانا پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد عبدہ فیروزپوری، شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم، مولانا محمد صدیق فیصل

---

[1] تذکرہ علمائے اہلحدیث 3/253

آبادی، مولانا عبد السلام بھٹوی ، مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری، شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز، مولانا عطاء الرحمان اشرف، مولانا حافظ محمد الیاس اثری، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا عبدالرحمان عتیق وزیرآبادی، مولانا محمد صادق خلیل فیصل آبادی، مورخ اہلحدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی وغیرہم

اصحاب تصنیف

تصنیف وتالیف کے ذریعہ حضرت العلام محدث گوندلوی رحمہ اللہ کے جن تلامذہ نے حدیث نبوی ﷺ کی گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں سے (8) علمائے کرام کی تصنیفی خدمات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

1۔مولانا ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

1۔مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)(9 جلد) کتاب المناسک تک لکھی گئی۔

2۔مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

2۔التعلیقات السلفیہ(شرح سنن نسائی)(عربی)

3۔تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ(عربی)(ربع ثالث)

4۔فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد(عربی)(نامکمل)

3۔حافظ عبدالمنان نورپوری

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری (دیوبندی) نے شرح صحیح بخاری بنام فیض الباری لکھی حضرت العلام محدث گوندلوی رحمہ اللہ نے اس پر جابجا نقد فرمایا۔حافظ عبدالمنان نورپوری نے اس پر اضافہ کرکے ’’نقد فیض الباری‘‘ کے نام سے شائع کیا ہے۔تین جلدیں مطبوع ہیں اور چوتھی جلد زیر طبع ہے۔

4۔شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز

انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ(عربی)(12 جلد)

5۔مولانا محمد صادق خلیل

ترجمہ مشکوۃ المصابیح (اردو)(5 جلد)

6۔مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

مسند الامام ابی یعلی (عربی)

العلل المتناهیه لابن جوزی (عربی)

جلاء العینین فی تخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین (عربی)(تحقیق وتخریج وتعلیق)

7۔علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید

الشیعة واہل البیت (عربی)

الشیعة والسنة (عربی)

الشیعة والقرآن (عربی)

الشیعة والتشیع (عربی)

البریلویة(عربی)

القادیانیة(عربی)

البھائیة(عربی)

البابیة(عربی)

التصوف(عربی)

الاسماعلیة(عربی)

دراسة فی التصوف (عربی)

بین الشیعة واہل السنة (عربی) [1]

---

[1] تذکرہ علمائے حدیث 2/ 57 تا 72

8۔مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

فقہائے ہند (10 جلد)

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش

نقوش عظمت رفتہ

بزم ارجمنداں

کاروان سلف

قافلہ حدیث

قصوری خاندان

ارمغان حنیف

برصغیر میں اہل حدیث کی آمد

برصغیر میں اہل حدیث کے خدام قرآن

تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

تذکرہ صوفی محمد عبداللہ (ماموں کانجن)

میاں عبدالعزیز مالواڈہ

میاں فضل حق اوران کی خدمات

دبستان حدیث

گلستان حدیث

چمنستان حدیث

ہفت اقلیم

آثار ماضی

محفل دانشمنداں

تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی

مولانا احمدالدین گکھڑوی

برصغیر میں اہلحدیث کی اولیات

علمائے روپڑی خاندان

مولانا محی الدین لکھوی

گزرگئی گزراں

برصغیر میں اہلحدیث کی تدریسی خدمات

نبات الاسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

تذکرہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

بوستان حدیث [1]

حضرت محدث گوندلوی کی تصانیف

خدمت حدیث میں حضرت محدث گوندلوی رحمہ اللہ کی درج ذیل تصانیف ہیں۔

امالی علی صحیح البخاری (عربی)

---

[1] دبستان حدیث، ص:20 تا 23

شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) کتاب العلم تک لکھی گئی۔

عمدۃ القاری الی نقد فیض الباری (عربی)

وفات

حضرت العلام محدث گوندلوی نے 14 رمضان المبارک 1405ھ مطابق 4 جون 1985ء کو گوجرانوالہ میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون [1]

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی بن مولانا حکیم ابراہیم 1895ء میں موضع ''ڈھونے کی'' مضافات وزیر آباد میں پیدا ہوئے آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل جن علمائے کرام سے کی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

مولوی عبدالستار بن استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولانا عبدالجبار عمر پوری، مولانا عبدالغفور غزنوی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حکیم مولوی محمد عالم امرتسری، حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی (مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری کے درس قرآن میں بھی شریک ہوتے تھے)

فراغت تعلیم کے بعد شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی تحریک پر مسجد اہلحدیث محلہ حاجی پورہ گوجرانوالہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ 1339ھ مطابق 1921ء مولانا علاؤ الدین خطیب جامع مسجد اہلحدیث چوک بنائیں گوجرانوالہ نے انتقال کیا تو مولانا محمد اسمعیل کو مولانا علاؤ الدین کی جگہ خطیب مقرر کیا گیا جہاں آپ اپنی وفات 20 فروری 1968ء تک خطابت وامامت کے فرائض انجام دیتے رہے اسی سال آپ نے مسجد اہلحدیث گوجرانوالہ میں ایک دینی درسگاہ بنام ''جامعہ محمدیہ'' کی بنیاد رکھی جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج بھی دین اسلام کی نشر واشاعت میں مصروف ہے۔

---

[1] تذکرہ علمائے اہلحدیث 3/264

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے تمام علوم اسلامیہ پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔تقریر میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا عوامی تقریر بھی کر لیتے تھے اور علمی تقریر بھی،قدرت کی طرف سے اچھے دل ودماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے تھے برصغیر کی ہر مذہبی ودینی،قومی وملی اور سیاسی تحریکات سے انہیں مکمل آگاہی حاصل تھی اور ہر تحریک کے قیام کے پس منظر سے واقف تھے اور ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔

حدیث نبوی ﷺ سے مولانا سلفی کو بہت زیادہ شغف تھا حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم ومغفور نے ایک بار راقم سے فرمایا کہ

حدیث نبوی ﷺ کی حمایت ونصرت کے سلسلہ میں علمائے اہلحدیث میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی رحمہا اللہ بہت زیادہ سخت تھے یہ دونوں علمائے کرام حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے جب بھی کسی رسالہ یا اخبار میں حدیث کے مخالفت میں کوئی مضمون شائع ہوتا یا کوئی کتاب منظر عام پر آتی جس میں حدیث نبوی ﷺ پر تنقید ہوتی تو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فوراً اس کا نوٹس لیتے اور اخبار اہلحدیث میں اس کا جواب دیتے مولانا محمد اسمعیل سلفی بھی حدیث سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔آپ بھی جب کوئی مضمون یا کتاب میں حدیث کی مخالفت میں کوئی تنقیدی مضمون دیکھتے تو فوراً ان کا علم حرکت میں آجاتا اور ہفت روزہ الاعتصام میں مضمون کا جواب دیتے اور اب ان دونوں علماء کی اقتداء میں راقم (عطاء اللہ حنیف) اور حافظ عبدالقادر روپڑی بھی حدیث کے سلسلہ میں معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے ہم دونوں بھی تحریر وتقریر کے ذریعہ حدیث کی حمایت ونصرت اور مدافعت میں

اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری سعی وکوشش قبول فرمائے۔

تصنیف میں مشکوٰۃ المصابیح ربع اول کا ترجمہ کیا یہ کتاب ''کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ'' پر مشتمل ہے اس ترجمہ میں ایک جانب عربی عبارت اور دوسری جانب ترجمہ اور نیچے حدیث کی توضیح اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

وفات

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی نے 20 ذی قعدہ 1387ھ مطابق 20 فروری 1968ء گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حافظ محمد یوسف گکھڑوی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ راقم آثم کو بھی جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔

برصغیر (پاک و ہند) میں علم حدیث

باطل افکار و نظریات

کی تردید میں

علمائے اہلحدیث کی خدمات

عبدالرشید عراقی [1]

باطل افکار ونظریات کی تردید میں برصغیر میں جن علمائے اہلحدیث نے تحریری وتقریری خدمات انجام دیں ان میں مولانا عبید اللہ پائلی (م 1310ھ) مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م 1338ھ) مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م 1349ھ) شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری (م 1367ھ) مولانا ابو القاسم سیف بنارسی (م 1369ھ) اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م 1956ء) قابل ذکر ہیں۔

اور ماضی قریب میں مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری (م 1989ء) مولانا محمد حنیف ندوی (م 1987ء) علامہ احسان الٰہی ظہیر (م 1987ء) مولانا محمد علی جانباز (م 2008ء) وغیرہم نے کیا ان لوگوں نے قادیانیت، آریہ سماج، عیسائیت، شیعیت، انکار حدیث اور بریلویت کا قلع قمع کر کے اسلام کی حقانیت اور مسلک اہل حدیث کی سچائی ثابت کی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

1 مولانا عبید اللہ پائلی (م 1310ھ)

آریہ سماج کی تردید:

۱۔ تحفہ الہند　　　۲۔ حجۃ الہند　　　۳۔ نعرۃ الہند

[1] نامور مؤرخ مصنف کتب کثیرہ

② مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م1338ھ)

علمائے اہل حدیث میں سب سے پہلے مشہور اہلحدیث عالم مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م1338ھ) قادیانیت کی تردید میں میدان میں آئے۔ مولانا بٹالوی کا شمار علمائے فحول میں ہوتا تھا۔علوم اسلامیہ کے متبحر عالم تھے شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کا رسالہ ماہنامہ اشاعۃ السنۃ عیسائیت اور قادیانیت کی تردید میں وقف تھا اس رسالہ کے بارے میں مولوی ابویحییٰ امام خان نوشیروی (م1966م) لکھتے ہیں:

جماعت اہلحدیث کا سب سے پہلا رسالہ جس نے کئی سال تک علم وفن کی خدمت کی ،عیسائیوں کے الزامات کا جواب دیا مرزائے قادیان کے کفریہ نظریات کا استیصال کیا۔[1]

مولانا بٹالوی نے یہ رسالہ 1294ھ/1877م میں بٹالہ ضلع گورداس پوری (مشرقی پنجاب) سے جاری کیا۔

مولانا بٹالوی مرحوم کا سب سے عظیم کارنامہ امت مرزائیہ کی تکفیر پر سب سے پہلا متفقہ فتویٰ ہے۔ جو مولانا بٹالوی اور حضرت شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مشترکہ مساعی کے نتیجے میں ظہور میں آیا مولانا بٹالوی نے برصغیر پاک وہند کے تمام علمائے فقہی مسلک کے علماء سے مرزا قادیانی کی تکفیر پر فتویٰ حاصل کیا ان علماء کی تعداد (200) ہے جنہوں نے اپنے فتویٰ میں لکھا کہ:

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

مولانا بٹالوی نے اس فتویٰ کے علاوہ درج ذیل رسائل بھی قادیانی فتنہ کی تردید رقم فرمائے:

۱۔خیالی مسیح اور اس کے فرضی حواری سے گفتگو

۲۔تین گواہ

۳۔مرزا قادانی اور مرزائیوں کے بارے میں چند سوالات

---

[1] ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات، ص:100

③ مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م1349ھ)

نامور عالم دین، سیرت نگار اور دانشور اور صاحب علم وفضل اور علوم اسلامیہ کے متبحر عالم جماعت اہلحدیث کے جلیل القدر فرزند اور ریاست پٹیالہ میں شیشن جج کے عہدہ پر فائز تھے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' (3 جلد) شہرت دوام حاصل کر چکی ہے علامہ سید سلیمان ندوی (م 1375ھ) فرماتے ہیں کہ:

مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری علم وعمل، زہد وکمال اور فضل وورع دونوں کے جامع تھے روشن دل اور دماغ تھے، ان کے جدید وقدیم دونوں خیالات حد اعتدال پر تھے عربی زبان اور علوم دین کے مبصر عالم تھے تورات وانجیل پر فاضلانہ وناقدانہ نگاہ رکھتے تھے غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھا مسلکاً اہل حدیث تھے مگر اماموں اور مجتہدوں کی دل سے عزت اور ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کی پوری قدر کرتے تھے۔ [1]

عیسائیت کی تردید:

عیسائیت کی تردید میں قاضی صاحب کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ایک پادری کے آٹھ سوالوں کا جواب　　۲۔برہان

۳۔انجیلوں میں خدا کا بیٹا　　۴۔استقامت

۵۔علمی وتبلیغی خطوط　　۶۔قرآن، تورات اور انجیل میں باہمی نسبت [2]

قادیانیت کی تردید:

۱۔غایۃ المرام:

یہ کتاب مرزا قادیانی کے رسالہ جات متعلقات دعاوی مسیحیت جیسے فتح العلام وتوضیح المرام کے جواب میں ہے۔

---

[1] یادرفتگان، ص:106

[2] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ص:682-683

۲۔تائید الاسلام:

یہ غایۃ المرام کا دوسرا حصہ ہے، اس میں مرزا قادیانی کے عقائد پر مباحث جیسے مسیح موعود، الہام ومکاشفہ وغیرہ کا جواب دیا گیا ہے۔

قاضی صاحب نے صفر 1349ھ/ جون 1930ء واپسی حج بیت اللہ بحری جہاز میں وفات پائی مولانا سید اسمٰعیل غزنوی جو شریک سفر تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی کے بعد ان کی میت کو سمندری لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

④ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ایک جامع الکمالات شخصیت تھے آپ بیک وقت مفسر قرآن بھی تھے اور محدث بھی، مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، دانشور بھی تھے اور ادیب بھی، مفکر بھی تھے اور مدبر بھی، نقاد بھی تھے اور مبصر بھی، خطیب بھی تھے اور مقرر بھی، مبلغ بھی تھے اور واعظ بھی، معلم بھی تھے اور متکلم بھی، مصنف بھی تھے اور صحافی بھی اور فن مناظرہ میں امام تھے۔

شیخ الاسلام تھے، فاتح قادیان تھے، سردار اہلحدیث تھے، مفتی اہلحدیث تھے، شیر پنجاب تھے، آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس اور انجمن اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساسی رکن تھے، جمعیۃ العلماء ہند کے بانیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا مجالس .... میں بھی ان کی خدمات قابل قدر تھیں پہلے آل انڈیا کانگرس میں شامل تھے بعد میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

عالم اسلام اور برصغیر کے نامور علمائے کرام اور سیاسی اکابرین نے مولانا امرتسری کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے جن میں سے چند ایک ارشادات حسب ذیل ہیں۔

علامہ سید رشید رضا مصری:

مولانا ثناء اللہ امرتسری برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں ان کی خدمات اور ان کے زہد وتقویٰ کو دیکھ کر ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ رجل الٰہی ہیں۔ ①

① نقوش ابوالوفا، ص:4

علامہ مفتی محمد جمیل مفتی حنابلہ دمشق:

حضرت امام، علامہ، قمر ہند، قلب علم و دین، فخر الاسلام والمسلمین مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری اللہ ان کے فضائل کو دوام بخشے اور ان کی خوبیوں کی پاسبانی کرے۔ (1)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ:

مولانا ثناء اللہ امرتسری ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے فن مناظرہ کے امام تھے خوش بیان مقرر تھے، متعدد تصانیف کے منصف تھے، مذہباً اہلحدیث تھے، اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔ (2)

مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ:

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں اور دوسرے گمراہ فرقوں کے مقابلہ میں دین قیّم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ہندوستان کے مسلمان کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ (3)

مولانا امرتسری کے انتقال پر فرمایا کہ:

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ہی دین سے حاضر جوابی ختم ہوگئی۔ (4)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ:

میرے نزدیک اسلام کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مولانا ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین و فطین انسان اسلام کے علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ

---

(1) اہلحدیث امرتسر 10 جون 1932، فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:297

(2) یادرفتگان، ص:369-370

(3) مقدس رسول، ص:12

(4) سیرت ثنائی، ص:139

ہے۔①

مولانا حبیب الرحمان عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند:

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تردید قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ایک ملاقات میں فرمایا تھا کہ:

ہم لوگ (30) سال تک محنت کریں تو بھی اس (قادیانیت) کے بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔②

مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ:

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محترم المقام، رئیس المناظرین، الفاضل الاجل، جامع المنقولات والمعقولات المقلب شیر پنجاب، اعنی الحضرۃ مولانا ثناء اللہ کا وجود مسعود اس دور ابتلاء افتان میں مفتنمات میں سے ہے۔③

مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ:

ہمیں مناظرہ کے کہنا چاہیے کہ امام تھے خصوصاً آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں اور شروع صدی میں ان کا فتنہ اس وقت سب سے بڑا تھا اگر مولانا ثناء اللہ ان کے سامنے نہ آجاتے تو مسلمانوں کی مظلومانہ مرعوبیت خدا جانے کہاں تک پہنچ جاتی۔④

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی:

اگر رات کو کوئی نیا فرقہ دین اسلام کے خلاف وجود میں آجائے تو صبح اُٹھ کر مولانا ثناء اللہ اس کا جواب دے سکتے ہیں۔⑤

---

① لائل پور (فیصل آباد) 14 شعبان 1387ھ، ص:40

② حیات ثنائی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور فتنۂ قادیانیت، ص:301

③ علم کلام مرزا ص:7

④ چالیس علمائے اہلحدیث، ص:177

⑤ سیرت ثنائی، ص:12

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک نشانی تھے۔(آیۃ من آیات اللہ)[1]

حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی رحمہ اللہ:

مولانا ثناء اللہ ایک عبقری شخصیت تھے میدان مناظرہ میں توخصوصاً اُنھوں نے اپنی حاضر جوابی، شگفتہ بیانی، بذلہ سنجی اور معاملہ فہمی سے اپنی انفرادیت کو ہر طبقہ سے ہمیشہ تسلیم کرایا۔[2]

مولانا محمد خالد سیف فیصل آبادی:

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو علم وفضل کی رفعتوں کے ساتھ ساتھ رب ذوالجلال والاکرام نے آپ کو بہت اونچے عادات وخصائل سے سرفراز فرمایا تھا آپ نہایت نرم خو، حلیم الطبع، خوش گفتار، سلیقۂ شعار، بلند کردار، اخلاق کریمانہ اور بیگاہوں میں انتہائی عزت وتکریم کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔تقریر ہو یا تحریر دونوں میں آپ کا اسلوب ایسا شگفتہ تھا کہ اس میں کوئی آپ کا سہیم وشریک نہ تھا حاضر جوابی اور برجستہ گوئی میں کوئی آپ کا عدیل نہ تھا۔[3]

مولانا محمد اسحاق بھٹی:

مولانا ثناء اللہ امرتسری مقرر بھی تھے اور بلند مایہ مناظر بھی، دینی علوم کے ماہر بھی تھے اور غیر اسلامی ادیان سے باخبر، مصنف بھی تھے اور محقق بھی، مفسر بھی تھے اور ماہر حدیث بھی، اصولی بھی تھے اور عالم فقہ بھی، کلامی بھی اور فلسفی ومنطقی بھی اپنے انداز خاص میں وہ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے اور ملکی مسائل میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔[4]

---

[1] سیرت ثنائی، ص:12

[2] مولانا ثناء اللہ کی تصنیفی خدمات، ص:29

[3] أیضاً: ص:10

[4] بزم ارجمنداں، ص:143

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اُستاد حدیث حضرت حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م 1334ھ) فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز اگر مجھ سے پوچھا کہ تم آنکھوں سے اندھے تھے ہم نے تم کو عزت عطا کی تم بے علم تھے ہم نے تم کو علم کی دولت سے نوازا اور کتنے ہی بڑے بڑے علماء کو تمہارے حلقۂ شاگردی میں داخل کیا بتاؤ اس احسان کے عظیم بدلے میں ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو (اس مجلس میں مولانا ثناء اللہ بھی موجود تھے) حافظ صاحب نے مولانا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا:

''میں اس کے جواب میں بارگاہِ خداوندی میں عرض کروں گا کہ ثناء اللہ امرتسری کو لے کر حاضر ہوا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ اس خدمت کی وجہ سے مستحق مغفرت سمجھا جاؤں''۔[1]

ادیانِ باطلہ کی تردید:

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جب تعلیم سے فراغت پائی تو آپ نے سب سے پہلے اُس مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا جس میں آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا یعنی مدرسہ تائید الاسلام امرتسر۔ اس مدرسہ میں آپ نے 6 سال تک قرآن وحدیث کی تدریس فرماتے رہے اس کے بعد آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ مالیر کوٹلہ میں ہوگیا اور 2 سال تک آپ نے مالیر کوٹلہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا اس کے بعد مدرسہ سے استعفیٰ دے کر اپنے وطن امرتسر واپس تشریف لے آئے اس وقت ملک تین گروہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف برسر پیکار تھے عیسائی، آریہ، قادیانی۔

مولانا امرتسری نے ان تینوں گروہوں کے خلاف محاذ قائم کیا اور ان سے تحریری وتقریری مناظرے کیے اور ان کے خلاف بے شمار کتابیں تصنیف کیں اور رسائل واخبارات جاری کیے: ماہنامہ مسلمان، ہفت روزہ اہلحدیث، ماہنامہ مرقع قادیانی۔

---

[1] أیضاً، ص:167

تصانیف:

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی تصانیف کو درج ذیل موضوعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔تفاسیر قرآن مجید ومتعلقاتہ ۲۔تردید عیسائیت
۳۔تردید آریہ سماج ۴۔تردید قادیانیت
۵۔منکرین احادیث کی تردید میں ۶۔تردید مقلدین احناف وشیعیت
۷۔حمایت مسلک اہلحدیث ۸۔تنقیدی کتب
۹۔عامۃ المسلمین واسلامی کتب ۱۰۔علمی وادبی تصانیف

ذیل میں صرف اُن کتابوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے جو ادیان باطلہ کی تردید میں ہیں یعنی عیسائیت، آریہ سماج، قادیانیت اور منکرین احادیث۔

مولانا امرتسری نے اپنی تصانیف کا آغاز 1895ء میں کیا اور آخری عمر اگست 1947ء تک جاری رہا۔

تردید عیسائیت:

۱۔برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر ۲۔تقابل ثلاثہ
۳۔توحید، تثلیث اور راہِ نجات ۴۔جوابات نصاری
۵۔اسلام اور مسیحیت ۶۔مناظرہ الہ آباد
۷۔تحریفات بائیبل اور تفسیر سورۃ یوسف ۸۔کلمہ طیبہ
۹۔اسلام اور پانی ٹیکس ۱۰۔اسلام اور برٹش لا

تردید آریہ سماج:

۱۔حق پرکاش ۲۔کتاب الرحمان
۳۔تُرک اسلام ۴۔حدوث وید
۵۔مباحثہ دیوریا ۶۔شادی بیوگان اور نیوگ

۷۔حدوث دنیا
۸۔الہام
۹۔الرکوب السفینہ فی مباحثہ النگینہ
۱۰۔سوامی دیانند کا علم وعقل
۱۱۔نماز اربعہ
۱۲۔تغلیب الاسلام
۱۳۔القرآن العظیم
۱۴۔مرقع دیانندی
۱۵۔رجم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین
۱۶۔تیراسلام
۱۷۔بحث تناسخ
۱۸۔ثمرات تناسخ
۱۹۔قرآن اور دیگر کتب
۲۰۔جہادوید
۲۱۔باعث سرور در مباحثہ جبل پور
۲۲۔فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ
۲۳۔محمد رشی
۲۴۔الہامی کتاب
۲۵۔مقدس رسول
۲۶۔ثنائی پاکٹ بک
۲۷۔نکاح آریہ
۲۸۔اصول آریہ
۲۹۔تحریف آریہ
۳۰۔تعلیم الاسلام
۳۱۔ہنود آریہ اور مولانا امرتسری
۳۲۔ہندوستان کے دوریفارمر
۳۳۔مجموعہ رسائل بوید قرآن
۳۴۔الفوز العظیم
۳۵۔آریوں کے علماء سے ۲۵ سوالات اوراُن کے فوری جوابات
۳۶۔مباحثہ نائن
۳۷۔ایشور بھگتی
۳۸۔مباحثہ گوشت خوری
۳۹۔آریہ دھرکا فوٹو
۴۰ثبوت قربانی گاؤ
۴۱۔ابدی نجات
۴۲۔اظہارِحق
۴۳۔کتاب روح
۴۴۔شدھی توڑہ
۴۵۔ویدکا بھید
۴۶۔ویدک ایشور کی حقیقت
۴۷۔اخبار مسلمان
۴۸۔وید اور سوامی دیانند
۴۹۔حدوث مادہ

تردید قادیانیت:

۱۔الہامات مرزا ۲۔ہفوات مرزا ۳۔صحیفہ محبوبیہ
۴۔فاتح قادیان ۵۔آفة الله ۶۔فتح ربانی درمباحثہ قادیانی
۷۔عقائد مرزا ۸۔مرقع قادیانی ۹۔چیستان مرزا
۱۰۔زارقادیان ۱۱۔فسخ نکاح مرزائیاں ۱۲۔تاریخ مرزا
۱۳۔عجائبات مرزا ۱۴۔شہادات مرزا ۱۵۔ہندوستان کے دوریفارمر
۱۶۔مراق مرزا ۱۷۔فیصلہ مرزا ۱۸۔علم کلام مرزا
۱۹۔عشرہ کاملہ ۲۰۔تحفہ احمدیہ ۲۱۔بطش قدیر برقادیانی تفسیر کبیر
۲۲۔ناقابل مصنف مرزا ۲۳۔رسائل اعجازیہ ۲۴۔ضرورت مسیح
۲۵۔قادیانی نبی کی تحریر فیصلہ کن ہے یا میرا حلف ۲۶۔تفسیر ثنائی
۲۷۔نکاح مرزا ۲۸۔شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی ۲۹۔قادیانی مباحثہ دکن
۳۰۔محمد قادیانی ۳۱۔نکاتِ مرزا ۳۲۔تفسیر نویسی کا چیلنج اور ضرار
۳۳۔تعلیمات مرزا ۳۴۔بہاء اللہ اور مرزا ۳۵۔اباطیل مرزا
۳۶۔مکالمہ احمدیہ (جلد اول) ۳۷۔محمود مسیح موعود ۳۸۔تحفۂ مرزائیہ
۳۹۔ثنائی پاکٹ بک ۴۰۔تفسیر بالرائے ۴۱۔لیکھرام اور مرزا

تردید منکرین حدیث:

۱۔دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن ۲۔حدیث نبوی اور تقلید شخصی
۳۔برہان القرآن ۴۔حجیت حدیث اور اتباع الرسول
۵۔خاکساری تحریک اور اس کا بانی ۶۔کلمة الحق بجواب شرعتہ الحق
۷۔دفاع سنت ۸۔بیان الحق بجواب بلاغ الحق
۹۔تصدیق الحدیث (۳ جلد) ۱۰۔صلوٰۃ المومنین بجواب رسالہ صلوٰۃ المرسلین
۱۱۔تفسیر بالروایۃ

❶ اسلام اور مسیحیت:

یہ کتاب تین عیسائی کتب کا جواب ہے:

۱۔توضیح البیان فی اصول القرآن ۲۔مسیحیت عالمگیری

۳۔دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت [1]

❶ مقدس رسول:

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی یہ کتاب آریہ سماج کی ایک فضول کتاب ''رنگیلا رسول'' کا جواب ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر بے جا قسم کے اعتراضات کئے گئے تھے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بڑی سنجیدگی سے اعتراضات کے جوابات دیئے، مولانا مرحوم اپنی اس کتاب کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔[2]

❶ فیصلہ مرزا:

مرزا غلام احمد قادیانی نے 15 اپریل 1907ء کو ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا ''مولوی ثناء اللہ سے آخری فیصلہ'' اس میں مرزا قادیانی نے دعا کی تھی کہ

میرے اور مولوی ثناء اللہ میں فیصلہ فرما کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مرزا کی یہ دعا قبول فرمائی کہ

اس اشتہار کے ایک سال ایک ماہ 12 دن بعد 25 مئی 1908ء کو آنجہانی ہوکر جہنم واصل ہوئے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے 40 سال بعد 15 مارچ 1948ء بمقام سرگودھا رحلت فرمائی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا قادیانی کی وفات پر فرمایا:

کذب میں پکا تھا پہلے مر گیا

نامرادی میں ہوا اس کا آنا جانا [3]

---

[1] چالیس علمائے اہلحدیث، ص:204

[2] چالیس علمائے اہلحدیث، ص:205

[3] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ص:718

4 حدیث نبوی اور تقلید شخصی:

اس کتاب میں قرآن مجید کے ساتھ احادیث رسول کے شرعی حجت ہونے کا ثبوت اور قرآن وحدیث کی باہمی نسبت کی نوعیت بیان کرتے ہوئے حدیث نبوی اور تقلید شخصی کی تحقیق کی گئی ہے اور منکرین حدیث کے جوابات اچھی طرح دیئے گئے ہیں۔ [1]

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی وفات:

14 اگست 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا اور امرتسر کا ضلع بھارت کے حصہ میں آیا مولانا امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آئے اور لاہور میں کچھ روز قیام کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی کے پاس گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور جنوری 1948ء کو سرگودھا تشریف لے گئے جہاں انہیں ثنائی برقی پریس امرتسر کے تبادلہ میں پریس آلاٹ ہوا تھا فروری 1948ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور آخر اس مرد درویش نے 15 مارچ 1948ء کو وفات پائی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

تاثرات:

مشہور صحافی اور ادیب اور مجلس خلافت کے رہنما قاضی عدیل احمد عباسی لکھتے ہیں کہ

قلوب پر فالج گرا دینے والے لرزہ خیز حالات میں ایک مرد کامل نکلا جو ہمہ صفت موصوف تھا عالم متبحر، مفسر، محدث، واعظ، مناظر، محقق، مفکر، مرد آہن اور مستقل مزاجی کا پیامبر تھا مجدد عصر، مبلغ اعظم، محقق اکبر حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔ [2]

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (م 1999ء) ماہنامہ ندائے مدینہ کان پور کے شیخ الاسلام نمبر میں لکھتے ہیں کہ:

اگر پوری دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھریوں، ملحدوں، نیچریوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث، چکڑالویوں،

---

[1] أیضاً، ص:375

[2] حیات ثنائی، ص:42

بریلویوں، دیوبندیوں، ست دھریوں سے غرض ہر فرقے سے ایک گھنٹہ مسلسل 90 گھنٹے بحث ومذاکرہ کی نوبت آئے تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی مجھے معلوم نہیں لیکن پاکستان، ہندوستان، برما، لنکا، جزیرہ، جاوا کی طرف سے صرف ایک ہستی ہوسکتی ہے اور وہ شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تھی۔ (1)

مولانا غلام رسول مہر مرحوم ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لاہور لکھتے ہیں کہ:

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ساری زندگی دین قیّم کی اشاعت اور کفر وبدعت وطغیان کے رد میں بسر ہوئی ہے اور آج اُن کی چھوٹی بڑی تصانیف کا گراں بہاں ذخیرہ منفعت بخش عوام وخواص ہے۔ (2)

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عمر ہا درکعبہ وبت خانہ نالد حیات
تا زبزم عشق یک دانائے راز آید بروں

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ماضی قریب کی ایک عظیم اور عبقری شخصیت تھے جن کی نظیر خال خال ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔

بنا کر دندخوش رسمے بخاک وخوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را (3)

(5) مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی بن مولانا محمد سعید محدث بنارسی علمائے فحول میں سے تھے ایک دور تھا کہ پورے برصغیر (راس کماری سے پشاور تک) میں ان تین جلیل القدر علمائے اہلحدیث کا شہرہ تھا اور کوئی اہل حدیث کا جلسہ یا قومی وملی اجتماع ایسا نہ ہوتا تھا جس میں ان تینوں علمائے کرام کی شمولیت

---

(1) أیضاً، ص:163

(2) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:306

(3) أیضاً، ص:17

نہ ہوتی ہو اور یہ تین علمائے کرام تھے

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م 15 مارچ 1948ء)

مناظر اسلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (م 25 نومبر 1949ء)

امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م 12 جنوری 1956ء)

مولانا ابوالقاسم بنارسی کا سن ولادت یکم شوال 1307ھ/ 21 مئی 1890ء ہے۔

ان کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا علوم اسلامیہ کی تعلیم درج ذیل اساتذہ کرام سے حاصل کی۔

۱۔مولانا محمد سعید محدث بنارسی (والد محترم) (م 1322ھ)

۲۔مولانا سید عبدالکبیر بہاری (م 1331ھ)

۳۔مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی (م 1325ھ)

۴۔مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م 1334ھ)

۵۔مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م 1334ھ)

۶۔مولانا قاضی محمد بن عبدالعزیز (م 1330ھ)

۷۔شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م 1330ھ)

۸۔علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی (م 1327ھ)[1]

16 سال کی عمر میں علوم عالیہ وآلیہ سے فراغت پائی اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ بنارس میں تدریس پر مامور ہوئے اور 48 سال تک قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے صحافت سے بھی تعلق رہا اور ایک ماہنامہ 'السعید' جاری کیا جو تھوڑا عرصہ جاری رہا۔[2]

تصانیف:

مولانا ابوالقاسم بنارسی صاحب تصانیف کثیرہ تھے ان کی تصانیف کی تعداد (70) کے قریب ہے آپ نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اُٹھایا جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند، ص:357

[2] اَیضاً

دفاع حدیث:

۱۔جمع القرآن والحدیث	۲۔قضیۃ الحدیث فی حجیۃ الحدیث
۳۔لورالشرح فی حدیث اُم زرع	۴ ۔اربعین محمدی
۵۔ترجم کتاب الرد علی ابی حنیفہ	۶۔الامرالمبرم لابطال الکلام المحکم
۷۔حل مشکلات بخاری مسمی الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری	۸۔ماء حمیم للمولوی عمر کریم
۹۔صراط مستقیم لہدایۃ عمر کریم	۱۰۔الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم
۱۱۔الخزی العظیم للمولوی عمر کریم	۱۲۔العرجون القدیم فی افشاء عمر کریم
۱۳۔السیر الحثیث فی براءۃ اہل حدیث	۱۴۔دفع بہتان العظیم [1]

تردید قادیانیت:

15۔اظہار حقیقت	۱۶۔ردِمرزائیت
۱۷۔قضاء ربانی بردعا قادیانی (یعنی الٰہی فیصلہ)	۱۸۔جواب دعوت
۱۹۔مولوی غلام احمد قادیانی کے بعض جوابات پر ایک نظر	۲۰۔معیار نبوت
۲۱۔نوراسلام بجواب ظہوراسلام	۲۲۔دفع اوہام ازظہور امام [2]

علم وفضل

مولانا ابو القاسم بنارسی نے مسلک اہل حدیث کی حمایت اور اس کی ترقی وترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے ادیان باطلہ کی تردید میں ان کے کارنامے قدر کے قابل ہیں انہوں نے قادیانیوں، آریہ سماج، منکرین حدیث، عیسائیوں، نیچریوں اور مقلدین احناف سے تحریری وتقریری مناظرے کیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ مناظرہ میں

---

[1] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ص:368 تا 370

[2] اُیضاً، ص:726 تا 728

کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ (1)

مولانا ابوالقاسم بنارسی آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے بلاتنخواہ سفیر وواعظ تھے۔ (2)

وفات:

مولانا ابوالقاسم بنارسی نے 25 نومبر 1948ء مطابق 4 صفر 1369ھ بنارس میں وفات پائی۔ (3)

مولانا بنارسی کی وفات پر مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں حسب ذیل شذرہ لکھا کہ:

علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہلحدیث میں بالخصوص یہ خبر بڑے حزن وملال سے سُنی جائے گی کہ حضرت العلام ابوالقاسم بنارسی 4 صفر 1369ھ کو جمعہ کے 12 بجے فالج کے شدید حملے سے چل بسے۔ انا للہ و إنا إلیہ راجعون

مرحوم بیگانہ روزگار عالم، شعلہ ابیان مقرر اور نکتہ سنج مناظر تھے حدیث وفقہ کی جزئیات پر گہری نظر رکھتے تھے اسلامی تاریخ جس سے علمائے عربی کو بہت کم لگاؤ ہوتا ہے مولانا کا خاص موضوع تھا اور پھر اسلامی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق محدثین کے سیر وسوانح سے ہے وہ تو گویا انہیں ازبر تھا وقت کی تمام علمی وسیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا ابتداء ہی سے جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ رہے اور متعدد بار جیل بھی گئے نظریہ اہلحدیث سے تو مرحوم کو عشق تھا جب تک زندہ رہے اس کی اشاعت وتبلیغ میں کوشاں رہے۔

مرحوم .... کنجا ہی کے تاریخی گاؤں کنجا (گجرات پاکستان) کے ایک غیر مسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت اور صلاح وتقویٰ کی دولت سے نوازا ان پر اللہ تعالیٰ کا دوگونہ فضل تھا یعنی عقیدہ وعمل کی صحت کے ساتھ علم وفضل کی برکتیں بھی ارزانی ہوئیں۔ (4)

---

(1) چالیس علمائے اہلحدیث، ص:214

(2) تراجم علمائے حدیث ہند، ص:357

(3) چالیس علمائے اہلحدیث، ص:216

(4) ہفت روزہ الاعتصام، 9 دسمبر 1949ء

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ:

1932ء میں مولانا عبد المجید سوہدروی رحمہ اللہ نے سوہدرہ میں اہل حدیث کانفرنس کا انعقاد کیا جو تین دن تک جاری رہی اس کانفرنس میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی، مولانا ابوالقاسم بنارسی اور کئی دوسرے علمائے کرام شریک ہوئے تھے اس کانفرنس میں مشہور شاعر نفیس خلیلی بھی تشریف لائے تھے جنہوں نے ایک طویل نظم ''مسلمان عورت'' کے عنوان سے پڑھی تھی جس کے دو شعر مجھے اب تک یاد ہیں۔

بیاسا کے دریا کا وہ جل پجاری
کہیں ابن مریم کہیں ہے مراری
ہے تقلید مغرب غلام احمدیت
نہ یہ آدمیت نہ وہ آدمیت

کامریڈ عبدالکریم وزیر آبادی نے پنجابی زبان میں ایک نظم ''کھینچواں بنی'' کے عنوان سے پڑھی تھی جو بڑی دلچسپ تھی۔ (1)

(1) چالیس علمائے اہلحدیث، ص:217-218

فضیلۃ الشیخ اِرشَادُالحقّ اثری حفظہ اللہ

کی حیات وخدمات سے متعلق خصوصی گفتگو

انٹرویو: حافظ محمد یونس اثری

گذشتہ دنوں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام علم جرح وتعدیل، اور دفاع صحیحین سے متعلق ایک علمی دورہ کا اہتمام کیا گیا جس میں طلباء وعلماء کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اسی دورہ کے دوران موقع میسر آیا کہ شیخ حفظہ اللہ سے ان کی حیات، تعلیمی مراحل اور علمی خدمات کے حوالے سے معلومات جمع کی جائیں، شیخ صاحب نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور ایک مختصر مجلس میں آپ نے اپنی حیات کے جن گوشوں سے پردہ اٹھایا اس کی تفصیل قارئین کے استفادہ کیلئے یہاں انٹرویو کی شکل میں پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ شیخ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ یہ انٹرویو المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے ریسرچ فیلو جناب الشیخ حافظ یونس اثری صاحب نے کیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ان گراں قدر معلومات کا خزینہ ہم تک پہنچانے کا باعث بنے۔ آمین۔ (ادارہ)

سوال: شیخ صاحب اپنے نام ونسب کے حوالے سے کچھ معلومات فراہم کیجئے۔

الشیخ ارشادالحق اثری صاحب: نام ونسب: ارشادالحق بن غلام رسول بن عید بخش۔ اس سے آگے پردادا کا نام ہمیں معلوم نہیں، اس وقت اتنی دلچسپی نہیں تھی کہ ہم اپنے پردادا کا نام پوچھتے۔ اب میں نے ایک کاپی میں اپنے جدی خاندان کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔

ہمارے والد صاحب تین بھائی تھے۔سب سے بڑے بھائی کا نام اللہ دتا،ان سے چھوٹے بھائی کا نام فضل دین تھا۔والد صاحب سب سے چھوٹے تھے۔

اور پھر آگے ہم ایک بہن اور دو بھائی تھے۔میرے بڑے بھائی کا نام محمد شریف تھا۔بڑے بھائی کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوگیا۔اوراب ہمشیرہ بھی فوت ہوگئی ہیں۔(غفر اللہ لھما)

سوال : آپ کس برادری سے تعلق رکھتے ہیں؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: کمبوہ برادری کی ذیلی شاخ سندھو کے ساتھ تعلق ہے۔

سوال: پیدائش اور جائے پیدائش سے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: مجھے تاریخ ولادت تو یاد نہیں ہے بس بڑے یہی بتلاتے ہیں کہ سنہ 1948ء میں میری ولادت ہے۔اور وہ بھی اس طرح یاد ہے کہ میرا چچازاد بھائی جس کا نام مرشد ہے وہ مجھ سے چھ ماہ بڑا ہے اور وہ سنہ 1948ء کے اوائل میں پیدا ہوئے تھے۔

اُس وقت ہمارے والدین فورٹ عباس کے ایک نواحی گاؤں میں مقیم تھے۔کچھ عرصہ بعد تقریباً سن 1950ء میں لیاقت پور منتقل ہوگئے۔ریاست بہاولپور میں زمینیں الاٹ ہوئیں تو آدھا مربع زمین لی اور کام بھی کیا۔پرچون کی دکان کا کام اور غلہ منڈی میں بھی دکان بنائی۔

سوال: تعلیم کہاں حاصل کی، نیز اپنے محسن و مربی اساتذہ کے بارے میں کچھ تفصیلات سے آگاہ کریں۔

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: میں نے سنہ 1961ء میں مڈل کرلیا تھا۔اسی اثناء میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ قاسم العلوم میں مولانا بشیر صاحب اور مولانا محمد حیات رحمہ اللہ صاحب سے دو سال تک درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔جن میں کافیہ، ہدایۃ النحو، علم النحو، علم الصرف، قدوری، فارسی کی بھی کتابیں پند نامہ، گلستان سعدی اور تیسیر المنطق وغیرہ شامل تھیں۔یہ دونوں اساتذہ حنفی تھے، یہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

پھر سنہ 64 میں فیصل آباد جامعہ سلفیہ میں پڑھنے کے لئے گیا۔میں تو کبھی گھر سے باہر نکلا نہیں

تھا یہاں فیصل آباد کے قریب نور پور میں قصبہ تھا۔ وہاں والد صاحب کی ہمشیرہ رہتی تھی۔اس لئے جامعہ سلفیہ میں آنے کا اتفاق ہوا کہ وہاں رہنے کی سہولت مل جائے گی۔ ورنہ اس وقت میں اہل حدیث بھی نہیں تھا بلکہ خاندان میں بھی کوئی اہل حدیث نہیں تھا۔حتی کہ جامعہ سلفیہ میں دو سال تک میں اہل حدیث نہیں ہوا اور بغیر رفع الیدین کے نمازیں پڑھتا تھا۔ایک دفعہ حافظ بنیامین صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ جب میں اوپر ہاتھ باندھتا ہوں تو بوجھ پڑتا ہے یہاں ہاتھ باندھنا مشکل ہے، حافظ صاحب رحمہ اللہ کہتے تھے کہ دل میں نفاق ہے اس لئے مشکل ہوتی ہے اور یہ بوجھ پڑتا ہے، جب یہ نفاق نکل جائے گا تو پھر بوجھ محسوس نہیں ہوگا۔ خیر جامعہ سلفیہ میں داخلے کے وقت انٹرویو ہوا تو انٹرویو مولانا بنیامین اور مولانا علی محمد سلفی صاحب نے لیا، انہوں نے پوچھا: ہاں بھئی! کیا کیا پڑھ کر آئے ہو؟ میں نے کہا کہ کافیہ پڑھی ہے، ہدایۃ النحو، تیسیر المنطق پڑھی ہے، ابھی میں نے تیسیر المنطق کا لفظ بولا تو حافظ بنیامین صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ تیسیر کون سا باب ہے؟ میں نے کہا کہ تفعیل۔بس اسی پر انہوں نے کہا کہ اسے تیسری میں داخلہ دے دو۔ یہاں تین سال تک تعلیم حاصل کی، اور ابتدائی دو سال تک حنفی رہا، غیر اہل حدیث ہونے کے باوجود حافظ بنیامین رحمہ اللہ کا کھانا لانا، ان کے برتن صاف کرنا، ان کی چائے بنا کر دینا۔ان کی خدمت کرنا میرا معمول تھا۔

جامعہ سلفیہ میں ترمذی، مختصر المعانی، شرح وقایۃ، قطبی، وغیرہ پڑھیں۔

مولانا عبد اللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ سے مختصر المعانی پڑھی۔(اثری صاحب کے اساتذہ میں سے یہی حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر خدمت حدیث کی توفیق عطا فرمائے۔آمین)

مولانا عبد اللہ بڈھیمالوی رحمہ اللہ سے سنن نسائی، مولانا صادق خلیل صاحب رحمہ اللہ سے جامع ترمذی اور مشکوۃ مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی تھی۔ ۔مولانا علی محمد رحمہ اللہ جھوک دادو کے تھے۔ پاکستان جس وقت بنا ہے، اس وقت یہ غیر مسلم گھرانہ تھا، ان کے بڑوں نے یہی سوچا کہ ہمارا وہاں جانا مشکل ہے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے مولانا ابھی چھوٹے تھے۔ جب مدینہ یونیورسٹی شروع ہوئی تو ان کی عمر زیادہ ہو گئی تھی، انہوں نے خط لکھا کہ مدینہ یونیورسٹی کی

مطلوبہ عمر سے میری عمر بڑھ گئی ہے اور وجہ یہی لکھی کہ میں اس وقت مسلمان نہیں تھا، لیکن اب تعلیم مکمل کرنا چاہتا ہوں اور مدینہ یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا کے اس عذر کی وجہ سے انہیں داخلہ مل گیا تھا کہ ان کا عذر معقول ہے۔ وہاں سے آکر پھر جامعہ سلفیہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔

بہر حال سنہ 66ء تک جامعہ سلفیہ میں پڑھا اور ان تین سالوں میں مذکورہ کتابیں پڑھیں۔

سنہ 67ء میں حافظ محمد بنیامین طور صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ سلفیہ سے استعفیٰ دے دیا تو ہم لوگ ایک ہی کلاس کے چھ، سات ساتھی تھے۔ جن میں مولوی اکرم جمیل جہلم کے شیخ الحدیث ہیں، میں اور مولانا محمد عبداللہ جھنگ کے تھے۔ ہم انہیں خطیب صاحب کہتے تھے۔ ہم نے حافظ صاحب سے عرض کیا کہ ہم آپ سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کا گاؤں جھوک دادو کے پاس ایک گاؤں کٹو چار چاں، وہاں تاندلیانوالہ کے پاس طور برادری کے چار گاؤں ہیں۔ کٹو کے لوگوں نے بڑا اصرار کیا اور کہا آپ اور یہ پوری کلاس ہمارے پاس لے آئیں ہم ہر اعتبار سے خدمت کریں گے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ایسا ممکن ہے۔

پھر سنہ **68**ء میں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ چلا گیا وہاں میں نے آخری سال پڑھا۔ وہاں حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ بخاری پڑھاتے تھے۔ اور مولانا ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ اس ادارے کے منتظم تھے۔ (یہ حافظ محمد گوندلوی صاحب رحمہ اللہ کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے۔ حافظ محمد گوندلوی صاحب رحمہ اللہ مدراس پڑھانے کے لئے گئے تھے۔ تو واپسی میں یہ (ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ) ساتھ ہی آگئے تھے کہ میں نے آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے) حافظ صاحب رحمہ اللہ ڈیڑھ دو گھنٹے صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔ پھر وہ لیٹ جاتے تھے۔ سارے طالب علم کوئی ہاتھ دبا رہا ہوتا کوئی کندھے، کوئی پاؤں۔ مولانا ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ کا کوئی پیریڈ خالی ہوتا تو وہ بھی نیچے آکر طالب علموں کے ساتھ مل کر دبایا کرتے تھے۔ بڑی خدمت اور احترام کرتے تھے۔ جیسے باپ کے سامنے لاڈ پیار کے ساتھ بیٹا بات کرتا ہے۔

میں 68ء میں وہاں پڑھتا تھا تو وہ مسجد میں جمعہ پڑھاتے تھے، دس گیارہ ماہ تک ہم نے جمعہ

میں یہی سنا کہ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ (الاعلیٰ:14) یعنی: فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اسی پر ہی جمعہ پڑھاتے رہے۔ جب حافظ صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت خراب رہتی تھی تو مولانا ابوالبرکات سے کہہ دیتے: ''مولوی احمد! آج جمعہ پڑھا۔'' مولانا ابوالبرکات جمعہ پڑھا دیتے تھے۔ ورنہ جب حافظ صاحب رحمہ اللہ جمعہ پڑھاتے تھے تو منبر کے قریب بیٹھ کر حافظ صاحب رحمہ اللہ کا جمعہ سنتے۔

ہم نے حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے بخاری پڑھی۔ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ وقت کی پابندی کا بہت اہتمام کرتے تھے، ایک دفعہ شدید بارش ہو رہی تھی ہم نے کہا کہ آج حافظ صاحب رحمہ اللہ پڑھانے نہیں آئیں گے، سردیوں کے دن ہیں اور اتنی شدید بارش ہو رہی ہے، اتنی بارش میں کیسے آئیں گے لہٰذا ڈیڑھ گھنٹہ آرام سے بیٹھیں گے۔ اور باقی بعد میں ابوالبرکات اور ایک حنفی استاذ کے سبق ہوتے تھے کہ ان کا پیریڈ ہوگا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ مسجد کا خادم بھاگا بھاگا آیا کہ تم یہاں بیٹھے ہو، حافظ صاحب رحمہ اللہ آگئے ہیں، وہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ جب آتے ہم ان کی جوتیاں پکڑتے اور عصا پکڑتے وہ نفل پڑھ کر آتے اور اپنی مسند پر آکر بیٹھتے اور خطبہ مسنونہ کے بعد سبق شروع کرتے۔ یہ ان کا خصوصی اہتمام تھا کہ اتنی شدید بارش میں بھی بروقت آگئے تھے۔ اور ہم تو ان سے بڑے مانوس تھے، ان سے سوال و جواب کرتے تھے، بلکہ ان کے گھر بھی چلے جاتے تھے۔ مسلم مسجد میں وہ ظہر عصر پڑھتے تھے۔ ہم عصر میں پھر ملاقات کرنے چلے جاتے تھے۔

اساتذہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے کچھ نہیں پڑھا بس اساتذہ کی خدمت کی ہے ان کی دعائیں لی ہیں۔ اور بس حافظ صاحب رحمہ اللہ کی بہت ساری باتیں ہماری سمجھ سے اوپر ہوتی تھیں، سمجھ نہیں آتی تھیں۔ لیکن عقیدت میں سنتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ ابوالبرکات رحمہ اللہ نے فرمایا کہ'' آپ بخاری شریف کا درس دیتے ہیں بہت مشکل باتیں کرتے ہیں لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی آپ آسان آسان باتیں کیا کریں !!'' حافظ صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ احمد! ہر بات ہر آدمی کے سمجھنے کی نہیں ہوتی جن کو سمجھ ہوتی ہے

انہیں سمجھ آ ہی جاتی ہے۔

آخری تقریب میں عبارت بھی میں نے پڑھی تھی۔ ہمارے ایک ساتھی تھے، ان کا نام قاری سیف اللہ تھا۔ وہ کہنے لگے کہ بڑی تعداد میں لوگ موجود ہوں گے آپ لوگ مجھے اجازت دیں، میں اچھے مخارج کے ساتھ حدیث کے الفاظ پڑھوں گا۔ ساتھیوں نے کہا کہ سارا سال تو آپ نے پڑھا نہیں، اب آپ کہتے ہیں کہ میں پڑھوں گا، الحمدللہ وہ قرعہ میرے نام ہی نکلا۔ بہر حال پھر سنہ 69ء میں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی فیصل آباد میں، اسی سال ادارہ علوم اثریہ قائم ہوا تھا، جو صرف فارغ التحصیل طلباء کے لئے تخصص کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ادارہ کا بھی پہلا ہی سال تھا، اس کا نام مولانا حنیف ندوی صاحب رحمہ اللہ نے رکھا، اس سے پہلے کسی نے اثری نام استعمال نہیں کیا، بڑے دور اندیش آدمی تھے۔ اس ادارے میں صرف پانچ طالب علم رکھتے تھے۔ اس ادارے کے پہلے سال میں، خالد سیف اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن، مولانا عبدالحمید بھکر، مولانا محمد جہلمی، انہیں کے عزیز محمد شفیع، محبت سے انہیں ہم مفتی محمد شفیع کہا کرتے تھے، وہ جہلم میں پڑھاتے تھے۔ ایک ہمارے ساتھی محمود الحسن صاحب تھے۔ جو کہ جامعہ ستاریہ میں شیخ الحدیث ہیں، لیکن ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی، پیٹ کا مسئلہ رہتا تھا۔ ڈیڑھ سال کے بعد واپس آ گئے۔ دو سال کا یہ کورس ہوتا تھا۔

جب گوجرانوالہ سے فارغ ہوکر آیا تو یہاں ادارہ علوم اثریہ میں مولانا اسحاق چیمہ صاحب رحمہ اللہ پڑھاتے تھے، مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ (خانوآنہ جھال والے) النھایۃ پڑھاتے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ بڑے حافظ تھے۔ اور ان سے پڑھنے والوں میں مولانا عبدالرحمان سلفی صاحب بھی ہیں انہوں نے دہلی میں ان سے پڑھا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کا استحضار اس قدر تھا کہ جب حدیث کی تلاش کی ضرورت آتی تو مشکوٰۃ سے کبھی بھی فہرست دیکھ کر حدیث نہیں نکالی۔ ان کے ذہن میں ہوتا تھا کہ یہ روایت

مشکوٰۃ میں ہے اور کتاب کو اندازہ لگا کر کھولتے ایک دو صفحے آگے یا پیچھے اور روایت پر پہنچ جاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں جتنا یاد آتا ہے کہ 83ء میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ یہ ابھی جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ بہرحال وہ بھی ادارہ علوم اثریہ میں استاد تھے۔ اور مولانا محمد عبدہ صاحب رحمہ اللہ بخاری اور مقدمہ ابن الصلاح پڑھاتے تھے۔

سوال: ادارہ علوم اثریہ سے اسی وقت سے وابستہ ہیں؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: جی ہاں! یہ دو سال کا کورس کیا پھر وہیں سے فارغ ہو کر ادارے ہی کے ہو کر رہ گئے۔ پھر کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ مولانا عبدہ صاحب رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ چلے گئے۔ مولانا عبداللہ اور مولانا اسحاق حج پر گئے۔ میں اکیلا رہ گیا یہ 74ء 75ء کی باتیں ہیں۔ ان کے جانے کے بعد تدریس کے حوالے سے سارا بوجھ مجھ پر آ گیا۔ ایک سبق مولانا خالد نے لے لیا اور بخاری، مقدمہ ابن الصلاح مجھے پڑھانا پڑا۔ ڈیڑھ دو مہینے کے بعد جب وہ حج سے واپس آئے۔ کچھ میرے لئے آسانی ہوئی۔ پڑھائی کا سلسلہ سات آٹھ سال تک باقی رہا، اسی اثناء میں العلل المتناهية پر کام کیا۔

بخاری شریف ہم ساری نہیں پڑھاتے تھے، سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے ابواب منتخب کر کے دیئے تھے، انہی منتخب ابواب کو ہم پڑھاتے تھے، یہاں افسوسناک بات یہ ہے کہ جس کاپی میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے ہمیں صحیح بخاری کے ابواب انتخاب کر کے دیئے تھے، وہ تمام ابواب انہوں نے اپنے قلم سے لکھ کر دیئے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں میں نے حافظ شریف صاحب حفظہ اللہ سے اس حوالے سے ذکر کر دیا کہ یہ ابواب سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے منتخب کر کے دیئے ہیں، وہ فرمانے لگے کہ وہ کاپی مجھے دکھائیں، میں وہ انتخاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے وہ کاپی اسی طرح حافظ شریف صاحب حفظہ اللہ کو دے دی۔ میں نے غفلت کی کہ ان سے کئی سال تک اس بارے میں نہ پوچھا اور پھر جب میں نے پوچھا کہ کیا آپ نے کاپی مجھے واپس کر دی تھی؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تو واپس

کر دی تھی، ان کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ میں نے واپس کر دی، لیکن وہ کہاں گئی کوئی پتہ نہیں۔ البتہ صحیح بخاری کا جو نسخہ ادارے میں ہے اس کے ابواب پر میں نے نشانات لگا لئے تھے۔ اب دل میں آتا ہے کہ کسی کو کہہ کر وہ نقل کروالوں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ دارہ علوم اثریہ کے ممتحن رہے۔ دو دو، تین تین دن تک ہمارے پاس رہتے تھے۔ بلکہ جب میں نیو سعید آباد آتا تھا تو نیو سعید آباد کے مقتدی کہتے تھے کہ ''لائل پور سے مولوی آگیا ہے شاہ صاحب کو لینے۔'' میں ان کی خدمت میں آٹھ آٹھ، دس دس دن رہتا، ان سے استفادہ بھی کرتا۔ اور ان سے مراجعت بھی ہوتی۔ کتابوں کی تحقیق کے حوالے سے میرا پہلا کام ''اعلام اهل العصر'' کا سارا کام میں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو سنایا ہے۔ میں نے ان سے باقاعدہ کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ میں نے '' امام ابن ماجہ اور علم حدیث'' کا جواب لکھا تھا، نعمانی کا اعتراض اور نیچے اثری کا جواب، وہ سارا مسودہ میں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو سنایا۔ پھر مشورہ ہوا جس میں عطاء اللہ حنیف، مولانا ابو حفص عثمانی، سید بدیع الدین شاہ صاحب، مولانا محمد عبدہ صاحب، مولانا عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم۔ شاہ صاحب کا فرمانا تھا کہ اس کتاب کو اسی طرح چھاپ دیں۔ یہ 72ء73ء کی بات ہے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سارے کام کو امام مالک رحمہ اللہ کے نام پر لکھو تو اس کی حیثیت زیادہ ہوگی۔ وگرنہ یہ کتاب صرف جوابی ہوگی اور اس کی اہمیت نہیں ہوتی جبکہ جو مستقل کتاب ہوتی ہے اس کی حیثیت ہوتی ہے۔ اس رائے کو سب نے پسند فرمایا۔ پھر اسی اسلوب میں اس مواد کو لکھنا شروع کیا۔ جس اسلوب میں ابن ماجہ اور علم حدیث تھی، بنیاد وہی تھی لیکن اس کو امام مالک رحمہ اللہ کے اسلوب میں، ان کا تعارف وغیرہ تو وہ تقریباً 70، 80 صفحات کے قریب تیار ہو گئی تھی، لیکن وہ پھر ایسا رکا کہ وہ جہاں کا ہے وہ وہی ہے۔ اب اسی کا ایک حصہ کتاب الآثار سے متعلقہ الاعتصام میں چھپا ہے۔ اب تو مراجع بہت زیادہ ہیں، اس دور کی لکھی ہوئی چیزیں مواد کے لحاظ سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ ان شاء اللہ مقالات کے تیسرے حصے

میں آئے گا۔

سوال: زندگی کا ایک اہم ترین حصہ ازدواجی زندگی کا ہوتا ہے، اس حوالے سے بھی تھوڑی گفتگو ہوجائے۔

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: نور پور میں جو ہمارے برادری کے لوگ تھے ان کے ساتھ میرے سسرال کی رشتہ داری تھی اور میرے سسرال والے اہل حدیث تھے۔ اور اہل حدیث ہونے کے ناطے ہی یہ رشتہ ہوا تھا۔ قومی بنیاد پر نہیں ہوا تھا۔ میرے سسرال والوں نے اپنے نور پور والے رشتہ داروں سے کہا کہ بیٹی کے لئے کوئی رشتہ بتلاؤ، تو ان کے انہی رشتہ داروں نے جواب دیا کہ رشتہ ہے اور وہابی ہے۔ میری خوشدامن (ساس) نے جب یہ سنا اور کہنے لگی رشتہ تو ٹھیک ہے لیکن دور بہت ہے، کہاں فیصل آباد سے شیخوپورہ اور شیخوپورہ سے لیاقت پور۔ آنے جانے میں بڑی مشکل ہوگی۔ لیکن جو ہوتا ہے قسمت میں ہوتا ہے۔ بہرحال بحمد اللہ یہ رشتہ ہوگیا۔ اور اب لیاقت پور میں خوشی غمی میں آنا جانا بھی رہتا ہے۔ بلکہ لیاقت پور میں ہمارے دوست تھے، ان کا نام عبداللہ تھا۔ (ان کا بیٹا میرے ساتھ اسکول پڑھتا تھا)۔ تو جب کبھی وہاں پروگرام ہوتا تو حافظ اسلم صاحب وغیرہ اعلان کرتے ہوئے میرا نام لیتے ہوئے ''ارشاد الحق فیصل آبادی'' کہتے، تو وہ لڑ پڑتے کہ اپنے آدمی کو دھکیل کر فیصل آبادی بنا رہے ہو، لیاقت پوری کہا کرو۔

ویسے لیاقت پور سے کئی علماء کا تعلق رہا ہے، مثلاً حافظ سلمان اوڈ صاحب رحمہ اللہ لیاقت پور کے تھے۔ یہ بڑے صاحبِ ثروت تھے اور جماعت غرباء کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ اٹھارہ بیس سال پہلے فوت ہوچکے ہیں، میں نے اور انہوں نے مولانا بشیر صاحب رحمہ اللہ سے ترجمہ قرآن پڑھا۔ حافظ سلمان اوڈ صاحب مولانا عبداللہ اوڈ صاحب کے بیٹے تھے۔ مولانا عبداللہ اوڈ رحمہ اللہ پوری اوڈ برادری کے امیر تھے اور ان کا بہت رعب و دبدبہ تھا۔ حیدرآباد میں ایک دفعہ دو پارٹیوں میں اختلاف ہوگیا انہوں نے دونوں کو بلایا تو وہ ان کے سامنے لڑنا شروع ہوگئے تو

انہوں نے کہا کہ لڑو!! میرے سامنے لڑو۔ بس ان کے کہتے ہی ڈانگیں چل پڑیں۔ اور وہ بیٹھے دیکھ رہے ہیں اور لڑائی ہو رہی ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی لاٹھی جب زمین پر ماری، بس جہاں کہیں کسی کی لاٹھی تھی وہیں رک گئی۔ درمیانے قد کے، بھاری آواز، جری آدمی تھے۔

اسی طرح لیاقت پور میں مولانا عبدالرحمان سلفی صاحب بھی ایک جلسے میں گئے ہیں۔ اور ایک موقع پر مولانا عبدالقہار صاحب رحمہ اللہ بھی آئے تھے، وہ بڑے قد آور شخص تھے۔

سوال : خطبہ جمعہ پڑھانے کا آغاز کب سے ہوا؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: حافظ عبداللہ رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ جب وہ چھٹی پر ہوتے تو کئی مرتبہ مولانا ابو حفص عثمانی صاحب رحمہ اللہ (اس وقت جامعہ کے ناظم تھے۔) نے مجھے حکماً فرمایا کہ بیٹا آپ جمعہ پڑھاؤ۔ ابتدائی دور طالبعلمی میں جامعہ سلفیہ کے اسٹیج پر جمعہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہے۔ 65ء66ء کی بات ہے۔ ثالثہ سے خامسہ کے دوران جمعہ پڑھا دیا۔ پھر جب گوجرانوالہ میں گیا تو مضافات سے بھی کوئی جمعہ کے حوالے سے آتا تو مولانا بنیامین صاحب رحمہ اللہ ہم دو ساتھیوں میں سے ایک کو بھیجا کرتے تھے۔ ایک شاہ صاحب تھے، (فوت ہو گئے) اور دوسرا میں۔ کبھی کبھی مولانا بنیامین صاحب نہ ہوتے تو اکثر ان کی عدم موجودگی میں، میں جمعہ پڑھاتا تھا۔

جب ادارہ علوم اثریہ کی بنیاد رکھی تو پہلے یہاں مولانا محمد جہلمی صاحب جمعہ پڑھاتے تھے۔ وہ جب ادارہ سے فارغ ہو کر چلے گئے تو ان کے بعد سے 71ء72ء سے جمعہ میں پڑھاتا رہا۔ درمیان میں کچھ عرصہ قریب ہی ایک محلہ ہے وہاں مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کے اشارہ پر پڑھایا، اس کا بھی ایک سبب تھا، ساری باتیں نہیں بتلائی جاتیں۔ لیکن جب دوبارہ اس ادارے کی تعمیرِ نو ہوئی تو پھر مولانا اسحاق چیمہ صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ یہاں آجائیں۔ تو اب تک اسی وقت سے جمعہ پڑھا رہا ہوں۔

بزم ادب مدارس میں ہوتی ہے۔اس میں تقریریں کرتے تھے،اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جھجک ختم کردی تھی۔ان بزموں کی برکت سے ہی یہ فائدہ ہوا۔اور باقاعدہ اس بزم کی نگرانی اساتذہ کیا کرتے تھے۔اور یہ جامعہ سلفیہ میں ہر جمعرات کو ہوا کرتا تھا۔

طلبہ کے لئے نصیحت: اس میں شریک ہونا چاہئے اس میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ہم نے دیکھا ہے کہ جو ان مجالس میں شریک نہیں ہوا وہ بعد میں بھی جھجک کا شکار ہی رہتا ہے۔

سوال : کیا جامعہ سلفیہ میں اس دور میں بھی طلبہ کے لئے ہفتہ وار تقاریر کی تربیت کا انتظام ہوتا تھا۔

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: جی ہاں بالکل! بلکہ ہمارے دور میں ''نادی عربی'' میں عربی میں بھی تقاریر ہوتی تھیں۔مولانا محمود غضنفر رحمہ اللہ اس کے منتظم ہوتے تھے۔مجھے کہنے لگے کہ آپ عربی میں تقریر کریں۔ہم نے کہا کہ اردو میں ہمیں آتی نہیں اور آپ عربی میں تقریر کرنے کا کہہ رہے ہیں!! حالانکہ میں اس وقت دیوبندی تھا۔(یہاں بات کاٹتے ہوئے سوال کیا کہ آپ دیوبندی حیاتی تھے یا مماتی، جواب میں فرمانے لگے کہ اس وقت ان چیزوں کا پتہ نہیں ہوتا تھا۔) لیکن وہ کہنے لگے کہ تم نے ضرور تقریر کرنی ہے، مجھے شرارت سوجھی میں نے نماز کے حوالے سے ایک دو آیات واحادیث بیان کرکے پھر صحیح ابن خزیمہ کی روایت وضع یدہ علی صدرہ والی روایت کے بارے میں، میں نے کہا کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں۔اور اس پر ہنگامہ ہوگیا اور صدر نے بھی لتاڑنا شروع کردیا اور میرے پاس عربی کے الفاظ ختم ہوگئے، وہ عربی میں بات کررہے ہیں اور میں اردو میں۔میں نے کہا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔یہ بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی حتیٰ کہ ناظمِ جامعہ کے پاس پہنچی، میرے پاس اس وقت خلاصۃ تہذیب الکمال تھی، میں نے کہا کہ مؤمل بن اسماعیل کا ترجمہ پڑھو، ان کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے۔آٹھویں کلاس میں ایک طالب علم پڑھتے تھے حافظ قدرت اللہ صاحب، وہ کہنے لگے کہ یہ ضمیر کا مرجع قریب ہوتا ہے یہ اس دوسرے راوی کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔میں نے کہا کہ آپ کو اس فن کا بالکل پتہ نہیں ہے۔آپ

اس میں حصہ بالکل نہیں لیں۔ وہ ناراض ہوگئے حتی کہ مجھے کتاب چھوڑ کر کمرے سے بھاگنا پڑا کہ کہیں میری پٹائی نہ شروع کردیں۔ اتنی تلخی شروع ہوگئی، حافظ قدرت اللہ صاحب وہ کتاب لے کر عثمانی صاحب کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے کہ وہ جو ارشاد (حنفی) آیا ہے، آج اس کے ساتھ یہ بات ہوئی، وہ کہنے لگے اس نے بات صحیح کہی تم غلط کہہ رہے ہو۔

سوال : کتابیں جمع کرنا بڑا مشکل کام ہے۔آپ نے کتابیں کیسے جمع کیں؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب : کتابیں جمع کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ بہت مشکل سے دانے ملتے ہیں اور کبھی کبھی ملتے ہیں۔ جب ادارہ نیا نیا شروع ہوا تو مولانا اسحاق چیمہ صاحب رحمہ اللہ مجھے اور خالد سیف صاحب کو پیسے دیتے تھے کہ لاہور سے جاکر کتابیں لے کر آؤ۔ہم جاتے تھے اور ہمارے کام کی کوئی کتاب نہیں ہوتی تھی، ایک دو کتابیں ملتی، باقی ویسے ہی خالی ہاتھ آجاتے۔ اس لئے کہ ہر کتاب تخصص کے لئے ضروری نہیں ہوتی تھی۔ وہاں کتاب وہ چاہئے تھی جو مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔

سوال: آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب : ادارہ علوم اثریہ میں مصروفیت جو ہے اس سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ تربیہ میں تدریس کررہے ہیں، اور اس کی بھی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شرح نخبۃ پڑھاتا ہوں یہ ختم ہوتو تدریب الراوی اور اس کے ساتھ الجرح والتعدیل اور اس کے بعد دراسۃ الاسانید اور تخریج کا طریقہ۔ اور اس حوالے سے میں کتاب سے نہیں پڑھاتا بلکہ میرے اپنے نوٹس ہیں کہ کتب تخریج کون سی ہیں اور احادیث تلاش کرنے کا طریقہ اور رجال کے حوالے سے۔

سوال : اپنے اسفار کے حوالے سے کچھ بتائیں۔

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب : الحمدللہ کئی بار حج کیا۔ اور امریکہ، برطانیہ، سعودیہ، دبئی، بحرین، کویت سمیت کئی ایک ممالک کے اسفار کئے۔

سوال: آپ نے متعدد کتب تصانیف کیں، سب سے پہلی کتاب کون سی تھی، اور مزید کچھ تصانیف کے حوالے بتلائیں۔

الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب: عربی میں میری سب سے پہلی کتاب اعلام اہل العصر ہے، اس کے بعد العلل المتناهیه ہے۔ اردو میں سب سے پہلے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد اصحاب ستہ اور ان کے مؤلفین ۔ یہ دار الفکر سے چھپی تھی، اب تو یہ بالکل نایاب ہے۔ میں ایک شخص کا نام نہیں لینا چاہتا، بڑے ماشاء اللہ فاضل اور صاحب علم ہیں، انہوں نے مجھے خود بتلایا، انہوں نے ایم اے بھی کیا تھا کہنے لگے کہ ایم اے کا جو میرا موضوع سکوت ابی داؤد پر تھا۔ مجھے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی، بس سارا مواد جو آپ نے صحاح ستہ اور انکے مؤلفین کے ترجمے میں لکھا ہے اس سارے کو مرتب کیا اور دے دیا اور ڈگری مل گئی، میرے اچھے نمبر آئے۔ پھر انہوں نے خود کہا اس کو دوبارہ ہی شائع کردو۔ میں نے کہا کہ حافظ صاحب وہ دور 72ء73ء کا اب بات 2015ء کی۔40 سال کا عرصہ گزر گیا اب دوبارہ یہ کام کریں تو اس حوالے سے بہت مواد ہے۔ میں نے اس وقت النکت قلمی لکھی تھی میں نے سارا مواد النکت سے لیا تھا۔ اور النکت لینے کی بھی ایک داستان ہے ۔ اصل مسئلہ یہی ہے کہ اب طالبعلموں کو وہ شوق اور جذبہ نہیں ہے۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کا جو نسخہ تھا پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر (مجھے ان کا نام یاد نہیں۔) نے اس سے انہوں نے یہ کتاب نقل کروائی ڈاکٹریٹ کے لئے مجھے یہ بات عطاء اللہ حنیف صاحب رحمہ اللہ نے بتائی کہ فلاں پروفیسر کے پاس یہ النکت کا نسخہ ہے۔ اب میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب رحمہ اللہ کے پیچھے پڑ گیا کہ مجھے لے کر دیں، میں جلدی واپس کردوں گا، مجھے وہ منظر اب بھی یاد ہے، مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب رحمہ اللہ مغرب کی نماز کے بعد ان کے پاس گئے وہ اندرون بھاٹی گیٹ رہتے تھے۔ ان کے پاس جا کر میری بات کہی، وہ مولانا عطاء اللہ حنیف کی بات رد نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ سید بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس سے نسخہ لے کر دینے والے بھی مولانا عطاء

اللہ حنیف صاحب رحمہ اللہ تھے۔تو وہ رد نہ کر سکا اور اپنا نسخہ بھیج دیا۔ وہ النکت کا نسخہ ایک مہینے میں پڑھنے سے فارغ ہو کر سردیوں کے دن تھے۔ راتوں میں نقل کیا۔توضیح الکلام کا پہلا ایڈیشن صحاح ستہ کے مباحث میں سکوت ابی داؤد کی بحث میں نے اس سے نقل کی۔اسی کے حوالے دیئے۔ دوسرے ایڈیشن تک مطبوع ہوگئی تھی پھر اس مطبوع کے حوالے دیئے تھے۔ میں نے وہ نقل کیا تھا نیلی سیاہی سے کالی سیاہی سے نہیں۔

کالی سیاہی اور نیلی سیاہی:

ہمارے لیاقت پور میں ایک حکیم صاحب تھے فوت ہوگئے وہ مولانا عبداللہ صاحب کھپیانوالی کے شاگرد تھے (مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ بہت صاحب علم تھے۔ جب مولانا عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ جب تحفۃ الاحوذی لکھ رہے تھے تو انہوں نے اونٹ کے کجاوے پر کتابیں رکھ کر تعاون کے لئے ان کے پاس مبارکپور بھیجی تھیں۔اس کا حوالہ مولانا عبدہ صاحب رحمہ اللہ بھی اور وہ حکیم صاحب رحمہ اللہ بھی دیتے تھے۔ساہیوال میں ان کے فرزند حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ تھے، وہ بھی فوت ہوگئے۔مولانا عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ کے بعض رسائل مولانا عبداللہ کھپیانوالی رحمہ اللہ نے چھپوائے۔آپ کبھی تحفۃ الاحوذی کا پہلا طبع کا نسخہ دیکھیں۔ پہلے نسخے کے آخری صفحے پر یہ لکھا ہے کہ مولانا عبداللہ کھپیانوالی رحمہ اللہ سے یہ کتاب مل سکتی ہے اور ان سے یہ یہ کتاب مل سکتی ہے۔) ان کو یہ نقل کردہ کتاب دکھائی تو انہوں نے النکت کو نقل کرنے کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ نے اچھا کام کیا لیکن نیلی سیاہی سے نہیں بلکہ کالی سیاہی سے لکھنا تھا۔ اس لئے کہ نیلی سیاہی تھوڑے عرصے بعد مدہم ہوجاتی ہے اور کالی سیاہی مدہم نہیں ہوتی۔ یہ بات مجھے انہوں نے بتائی تھی اور اس کے بعد میں نے کبھی نیلی سیاہی استعمال نہیں کی۔

ہماری یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ عشاء کی اذان کی آواز آنے لگی اور یہیں ہماری یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی ورنہ شاید ابھی بہت کچھ تھا، جو شیخ ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ کی شخصیت کے

حوالے سے دلچسپ معلومات پر مبنی ہوتا۔ البتہ آخر میں شیخ صاحب کی تصانیف کے حوالے سے کچھ مزید معلومات پیش کئے دیتے ہیں، تصانیف کے حوالے سے مذکورہ بالا گفتگو تو شیخ ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ سے ہوئی تھی ، وہ اشارتاً چند ایک کتب کے حوالے سے گفتگو کر گئے ورنہ شیخ اثری صاحب حفظہ اللہ کی کتب کی تعداد کم وبیش 50 تک پہنچ چکی ہے، اور جن پر ہم مطلع ہو سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

تحقیق وتخریج کے حوالے سے مسند ابی یعلی، مسند سراج، جزء رفع الیدین کی تخریج جلاء العینین پر کام، تبیین العجب فی فضائل شهر رجب للحافظ ابن حجر، العلل المتناهية پر تحقیق کا کام کر چکے ہیں، اور العلل المتناهية وہ کتاب ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ نے الضعیفۃ میں شیخ صاحب کے لئے الاستاذ کے الفاظ استعمال فرمائے۔

اور اردو زبان میں بھی مختلف موضوعات پر کتب لکھیں، مثلاً

تفاسیر میں

تفسیر سورۃ فاطر، تفسیر سورۃ ق وغیرہ منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور تفسیر سورہ یس زیر طبع ہے اور تفسیر سورۃ الصٰفٰت زیر قلم ہے۔

اسی طرح جب بھی کسی نے باطل فکر کی ترجمانی کی اس کی سرکوبی اور مسلک حق کے دفاع کے لئے شیخ حفظہ اللہ نے اپنے قلم کو حرکت دی۔

فیصل آباد کے قریب ایک شخص جو بظاہر اہل حدیث تھا لیکن شیعی افکار رکھتا تھا، ان کا نام لئے بغیر صحابہ کے فضائل، مقام اور مشاجرات سے متعلق تین کتب لکھیں۔

غامدی نے موسیقی کو جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کی تو ایک کتاب بنام ’’اسلام اور موسیقی شبہات اور مغالطات کا ازالہ‘‘ لکھی۔ اس کتاب کے جواب میں مزید اعتراضات ماہنامہ

اشراق میں کئے گئے تو ''اسلام اور موسیقی اشراق کے اعتراضات کا جائزہ''، لکھی۔

حبیب الرحمان کاندھلوی نے اپنی کتاب مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت کے نام سے لکھی جس میں صحیح بخاری کی احادیث کو نشانہ بنایا گیا، اس کا جواب شیخ صاحب نے ''احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ'' کے نام سے کتاب لکھی۔ مزید دفاع صحیحین کے بارے میں کتب بھی لکھی۔

سرفراز صفدر صاحب کی 27 کتب کا مطالعہ کر کے تبصراتی طور پر مدلل تنقید کی اور کتاب کا نام رکھا ''مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں'' اس کے جواب میں ان کے بیٹے عبدالقدوس قارن صاحب نے ''مشہور غیر مقلد ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ واویلا'' کے نام سے کتاب لکھی، جس کا جواب شیخ صاحب نے اس نام سے دیا ''کہ آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔''

اس کے علاوہ احادیث الہدایہ فنی و تحقیقی حیثیت، اسباب اختلاف الفقہاء سمیت توضیح الکلام، تنقیح الکلام اور تائید تنقیح الکلام فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور کچھ عرصہ قبل ہی ایک کتاب ''اعلاء السنن فی المیزان''، لکھی۔ شیخ صاحب نے مذکورہ کتاب میں ان اصول وقواعد کی خبر لی ہے جو تصحیح و تضعیف احادیث میں صاحب اعلاء السنن اختیار کرتے ہیں۔

یقیناً اس کے علاوہ بھی دیگر کتب ہیں، البتہ یہاں انہی کا ذکر مناسب سمجھا ہے جن پر مطلع ہو سکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کو طویل عمر عطا فرمائے۔ ہر قسم کے شر اور آفت سے انہیں محفوظ رکھے، اور مزید ان سے یہ علمی کام لیتا رہے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

قلعہ اسلام
ISLAM FORT

فاضلین مدینہ یونیورسٹی کے تحت قائم ادارہ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی

الیکٹرانک میڈیا کی فیلڈ میں قرآن وسنت کی خالص دعوت پر مشتمل منفرد ومعیاری ویب سائٹ

WWW.ISLAMFORT.COM

نئے پرکشش انداز میں | استعمال اور سرچنگ میں مزید آسان | جدید علمی ودعوتی سلسلوں کے ساتھ



نمایاں اضافی سلسلے

- فتنہ انکار حدیث، شبہات کا مدلل رد عام فہم انداز میں
- مختلف تربیتی آڈیوز، ویڈیو کلپس کی صورت میں
- فرد، گھر ومعاشرے کی اصلاح پر مشتمل خوبصورت دعوتی کارڈز
- آڈیو لائبریری میں مزید توسیع، نئے مقررین کا اضافہ
- مضامین میں نئی تحریروں، کاتبین کا اضافہ
- مجلہ البیان کے تمام شمارہ جات بشمول خاص نمبرز

اور بہت کچھ ملاحظہ فرمائیں

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کا مکمل تعارف، اہداف، مقاصد وسہ ماہی کارکردگی کی رپورٹ بھی ملاحظہ فرمائیں

سرپرست اعلیٰ
فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

مدیر ویب سائٹ
حافظ حماد امین چاؤلہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی)

فنی نگران
عبدالحمید صغیر

03222056928 | /islamfort1 | /islamfort1 | info@islamfort.com | www.islamfort.com